ذوالقعدہ 1442ہجری، جون2021ء

ماہنامہ
چشمِ بیدار
لاہور

جلد نمبر 15 شمارہ نمبر 6

سرپرست اعلیٰ

شیخ آصف احمد

0333-4851638

مدیر : ملک احمد سرور

آئینہ میگزین

1-	غزہ میں صہیونی عفریت کی خونریزی	اداریہ	3
2-	سورۃ الشمس	سیّد قطب شہید	4
3-	رذائل اخلاق	ڈاکٹر محمد شریف چودھری	12
4-	مدینہ منورہ سے تبوک تک	ڈاکٹر عبداللہ محسن	14
5-	فلسفۂ عہد و میثاق	خواجہ محمد اسلم	18
6-	سیل عرم	مرتضیٰ احمد خان	25
7-	اسرارِ خودی اور تصوّف	علامہ اقبالؒ	25
8-	فحش گوئی	سلمان نسیم ندوی	32
9-	عدل وانصاف ہی میں امن و بھلائی	ملک احمد سرور	38
10-	اسلام میں عدل کی اہمیت	طالب الہاشمیؒ	41
11-	عادِل حکمران کسے کہتے ہیں؟	انتخاب: علی حمزہ	44
12-	حسد اور مولانا رومی	حافظ محمد موسیٰ بھٹو	46
13-	تزکیہ وتربیت	امام غزالیؒ	48

Online: chashmebedar.blogspot.com

پروف ریڈنگ

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی پروف ریڈنگ میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے، پھر بھی غلطی رہ جانے کا امکان ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ (ادارہ بیدار)

مجلس مشاورت

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

نصرت الدین — خواجہ اعجاز احمد

ڈاکٹر سعید احمد ملک — ظفر اقبال بلوچ

بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف

پتہ خط کتابت

ماہنامہ چشمِ بیدار

شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ،

شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور -54000

فون مدیر: 0321-8004446

Email:chashmibedar@gmail.com

زرتعاون: فی شمارہ 50روپے

پاکستان ——— 500روپے

برائے چیک/آن لائن

CHASHM-E-BEDAR

Account: 0207-0105184180

Meezan Bank, Urdu Bazar

Lahore.

ناشر ملک سرور نے ارشد عثمانی پرنٹرز سہیل سنگھ سٹریٹ 72 چیمبر لین روڈ لاہور سے چھپوا کر شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ، شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور سے شائع کیا

اداریہ

غزہ میں صہیونی عفریت کی خونریزی

1948ء میں اسرائیل کے قیام سے بھی بہت پہلے سے صہیونی دہشت گرد تنظیموں نے سرزمین فلسطین میں قتل وغارت گری اور زمینوں پر قبضے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، وہ آج بھی جاری ہے۔ غزہ میں حال ہی میں مئی میں ہونے والی گیارہ روزہ خون ریزی اسرائیل کی اسی پالیسی کا تسلسل ہے۔ بیت المقدس میں 1950ء سے آباد متعدد فلسطینیوں سے ان کے گھر جبراً چھین لیے گئے اور انتہا پسند صہیونی ''عرب مردہ باد'' کے نعرے لگاتے ہوئے گلیوں بازاروں میں نکل آئے۔ رمضان کے آخری جمعہ کے لیے مسلمان بڑی تعداد میں مسجد اقصیٰ کے احاطے میں جمع تھے کہ صہیونی دہشت گردوں اور اسرائیلی فورسز نے وہاں بھی حملہ کر دیا۔ گولیوں اور آنسو گیس کے شیلوں کی بارش کر دی گئی، لاٹھیوں اور ٹھڈوں سے تشدد کے مناظر بھی بدترین وحشت کی عکاسی کر رہے تھے۔ جب اسرائیلی فورسز اور صہیونی دہشت گردوں کی خون ریزی اور مسجد اقصیٰ پر قبضے کی خبریں غزہ میں پہنچیں تو حماس نے خبردار کیا کہ اگر اسرائیلی فورسز نے مسجد اقصیٰ کو خالی نہ کیا تو اسرائیلی تنصیبات پر راکٹ حملے کیے جائیں گے۔ اسرائیل کو اپنے حفاظتی حصار ''آئرن ڈوم'' کا غرور تھا، اس لیے اس نے حماس کے انتباہ کو کوئی اہمیت نہ دی، اور غزہ پر میزائلوں کی بارش کر دی۔ یہ فلسطینی تاریخ میں میزائل اور بموں کی بدترین بارش تھی۔ اسرائیل نے غزہ کو کھنڈر میں بدل دیا اور کئی منزلہ میڈیا ہاؤس کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ میزائلوں اور بموں سے ہسپتال بچے نہ سکول نہ مسجدیں۔ دنیا نے خون ریزی اور اسرائیلی وحشت کے انتہائی خوفناک مناظر دیکھے، زخمی معصوم بچوں کی پکار اور لاشوں نے ہر دیکھنے والی آنکھ کو رلا دیا اور دل کو تڑپا کر رکھ دیا، مگر کرۂ ارض پر قابض طاغوتی قوتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی، لیکن حماس کے راکٹ حملوں نے اسرائیل کو جنگ بندی پر مجبور کر دیا۔ 85/90 فیصد راکٹ تو آئرن ڈوم نے بے کار کر دیے مگر 10/15 فیصد جو ٹارگٹس پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، انہوں نے اسرائیل کا غرور خاک میں ملا دیا اور یہودیوں کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا۔

گیارہ روزہ اسرائیلی حملوں میں 16800 رہائشی یونٹس کو نقصان پہنچا، 1000 گھر مکمل تباہ ہو گئے جبکہ 1800 رہائش کے قابل نہ رہے۔ اسرئیلی حملوں نے غزہ کے صنعتی شعبے کو 40 ملین ڈالر، توانائی کو 22 ملین ڈالر، زراعت کو 27 ملین ڈالر کا نقصان پہنچایا۔ مجموعی نقصان 322 ملین ڈالر بتایا جا رہا ہے۔ جانی نقصان میں تقریباً اڑھائی سو فلسطینی شہید ہوئے جن میں 65 بچے اور

39 خواتین شامل ہیں۔تقریباً دو ہزار فلسطینی زخمی ہوئے جن میں 560 بچے اور 380 عورتیں شامل ہیں۔حماس کے راکٹ حملوں سے 13 صہیونی ہلاک اور تقریباً ساڑھے تین سو زخمی ہوئے جبکہ اسرائیلی معیشت کو 166 ملین ڈالر کا نقصان پہنچا۔اسرائیلیوں کے بھی سینکڑوں سٹرکچر تباہ ہوئے۔

اس سانحہ کا سب سے زیادہ المناک پہلو دنیا کی بے حسی کی صورت میں سامنے آیا۔اس ظلم کے خلاف عالمی سطح پر وہ احتجاج دیکھنے کو نہ ملا جو دنیا جانوروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف بھی کرتی رہتی ہے۔امریکہ نے حسب توقع اسرائیل کا کھل کر ساتھ دیا۔مسلم ممالک میں سے بھی صرف ترکی، ایران اور پاکستان نے مؤثر آواز بلند کی۔کسی مسلم ملک نے جس کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہیں، دکھاوے کے طور پر بھی معطل نہ کیے اور نہ کسی نے تجارتی سرگرمیوں کو روکا۔مگر پاکستان میں اتنی مذمت اسرائیلی مظالم کی نہیں ہوئی جتنی اس حوالے سے تنقید پاک فوج اور عمران خان پر کی گئی۔ہمارے مذہبی لیڈروں اور دانشوروں نے جس طرح کے سوال اٹھائے، اس سے ان کی بصیرت و دانش پر خود سوالیہ نشان بنتے گئے۔افغان طالبان کا افغانستان نہتا اور کمزور ترین ملک تھا۔اس کے باوجود عسکری و معاشی لحاظ سے کرۂ ارض کے طاقتور ترین ملک امریکہ کو جب تک چوالیس ممالک کی افواج اور ترکی و پاکستان سے اڈے نہ مل گئے، اسے افغانستان پر حملے کی ہمت نہ ہوئی۔ہر لال بجھکڑ پاک فوج کی طرف انگلیاں اٹھا رہا تھا کہ عوام نے آپ کو پالا پوسا ہے، ایٹم بم اور میزائل دیے ہیں، اس لیے اسرائیل پر حملہ کیوں نہیں کرتے۔معاشی بدحالی اور انتشار میں پھنسا ہوا پاکستان اسرائیل پر کیسے حملہ کر سکتا تھا۔پھر عرب ممالک کے عملی تعاون اور عالمی فضا ہموار کیے بغیر حملہ کیسے ممکن تھا۔کیا ترکی، ایران اور عرب ملکوں میں سے کسی نے کیا؟ کسی نے سوال نہ اٹھایا کہ وہ غیور اور بہادر عرب آج کہاں ہیں جنہوں نے خلافتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔دنیا جہاں سے خرید خرید کر جدید اسلحے کے انبار لگانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے والے مسلم ممالک سے نہ پوچھا گیا کہ وہ اسرائیل کی طرف قدم کیوں نہیں بڑھاتے۔پاکستانیو! خدارا، تدبر و تفکر کر لیا کریں اور ریاستی معاملات ریاستی اداروں کو حل کرنے دیا کریں۔حکومت پاکستان کی فلسطین پالیسی اور کردار قابلِ تعریف ہے، کسی مسلم ملک نے پاکستان جیسا کردار ادا نہیں کیا۔انسانی منصوبوں میں خامیاں ہمیشہ موجود رہتی ہیں، ان کی نشان دہی ہونی چاہیے اور انہیں دور بھی کیا جانا چاہیے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم ممالک کو ''امتِ مسلمہ'' بننے کی توفیق دے، ان میں بیت المقدس کی آزادی کے لیے لڑنے مرنے کا جذبہ پیدا کرے اور فلسطینیوں کے مصائب دور کرے، آمین۔**وما علینا الا البلاغ المبین**

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سیّد قطب شہید

سورۂ الشمس

گزشتہ سے پیوستہ.....

اس کے بعد زمین اور اس کے بچھائے جانے کی قسم ہے:

﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾ (91 : 6) ''اور زمین اور اس کے بچھائے جانے کی قسم۔''

طحی الطحو سے ہے جس کے معنی بچھانے کے ہیں، جس طرح الدحو کا مفہوم ہے بچھانا، اور زندگی کے لیے ہموار کرنا۔ اور یہ ایک عظیم اور نمایاں حقیقت ہے جس کے اوپر انسانوں اور تمام حیوانوں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ آسمان وزمین کے اندر اللہ نے جو ہم آہنگی پیدا فرمائی ہے، یہ اسی کی برکت ہے جس کی وجہ سے یہاں زندگی ممکن ہوئی اور یہ سب کام صرف اللہ کی تدبیر اور اندازوں کی وجہ سے ہوا۔ ہمارے لیے یہی واضح اور ظاہری حقیقت کافی ہے کہ اگر ان خصائص اور ہم آہنگیوں میں سے کوئی چیز بھی خلل پذیر ہو جائے تو نہ اس زمین میں زندگی کا وجود ہوتا اور نہ یہ زندگی اس انداز پر چلتی۔ زمین کا ''الطحو'' جو یہاں استعمال ہوا ہے یا ''الدحو'' جو سورہ نازعات (30-31) میں استعمال ہوا ہے:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا o اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا﴾ (79 : 30-31)

''زمین کو اس کے بعد بچھایا اور اس کا پانی اور اس میں سے نباتات نکالیں۔''

دونوں مفہوم بچھانا ہے اور یہ بچھانا ان خصائص اور ہم آہنگیوں میں سے بڑی ہم آہنگی ہے۔ اور یہ صرف دست قدرت کا کارنامہ ہے۔ یہاں اس بچھانے کا ذکر کر کے اشارہ قدرت الٰہیہ کی طرف ہے اور قلب انسانی کو اس بات پر اکسایا جاتا ہے کہ ذرا اس پر غور کرے اور نصیحت حاصل کرے۔

ان قسموں اور ان کے اندر پائے جانے والے مظاہر کائنات اور مناظر فطرت کے بعد اب نفس انسانی کے عظیم حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کائنات کے عجائبات میں سے یہ عظیم تر عجوبہ ہے، جو اس زمین وآسمان کی ان ہم آہنگیوں کی وجہ سے قائم ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (91 : 7 تا 10)

''اور نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا۔ پھر اس کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

ان چار آیات میں اسلام کا نظریۂ نفس بیان کیا گیا ہے۔ اس کی طرف سورہ ماقبل، سورہ البلد میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (90 : 10) ''اور ہم نے اسے دو راہیں دکھا دیں۔''

نیز سورہ دھر میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا﴾ (76 : 3)

''ہم نے اسے راہ دکھا دی۔ اب وہ یا تو شکر گزار بنے گا یا ناشکرا۔''

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس انسانی میں از روئے فطرت دو صلاحیتیں ہیں جیسا کہ سورہ ص میں کہا گیا ہے:

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ o فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ o﴾ (38 : 71-72)

''اور اس بات کو یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اسے مکمل بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔''

مذکورہ بالا آیات میں نفس انسانی کے متعلق جو کچھ کہا گیا، یہ امر اسلام کے نظریہ فردی ذمہ داری سے بھی مربوط ہے جیسا کہ سورہ المدثر میں کہا گیا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ (74 : 38)

''ہر نفس اپنی کمائی اور عمل کا ذمہ دار ہے۔''

اور یہ موضوع اس آیت سے بھی متعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا معاملہ ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ سورہ الرعد میں صراحت سے کہا گیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

''اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔''

ان تمام آیات میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے بارے میں اسلام اور قرآن کا نقطۂ نظر کیا

ہے اور انسان کے خدوخال کیا ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مخلوق اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ اس کی صلاحیتیں بھی دو رخ رکھتی ہیں، اس کی ذات کے اندر دو صلاحیتیں ہیں۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کی تخلیق کا ایک رخ مادی ہے یعنی وہ خاک جس سے اسے بنایا گیا اور دوسرا رخ اس روح کا ہے جو اس کے اندر پھونکی گئی ہے اور یہ روح اللہ کی روح ہے۔ چنانچہ خاک کی صلاحیت شر کی طرف جاتی ہے اور روح کی صلاحیت اسے خیر کی طرف لے جاتی ہے۔ اپنی تخلیق کے اعتبار سے یہ خیر و شر اور ہدایت و ضلالت دونوں کی طرف جا سکتا ہے اور خیر و شر کی تمیز کا ملکہ بھی اسے دیا گیا ہے اور اسے یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ اپنے نفس کو خیر کی طرف موڑ دے یا شر کی طرف موڑ دے۔ یہ طاقت، اختیار اور صلاحیت از روئے تخلیق اس کے اندر موجود ہے۔ اس کی طرف قرآن نے کبھی تو الہام کے لفظ سے اشارہ کیا ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (91:7-8)

''اور نفس انسانی کی قسم اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔''

اور کبھی اس کی طرف لفظ ہدایت سے اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (90 : 10) (البلد)

''ہم نے اسے دو راہوں کی ہدایت کر دی۔''

تو یہ صلاحیت اس مخلوق کی ذات میں از روئے تخلیق رکھ دی گئی ہے۔ تمام رسولوں کی جدوجہد، تمام اچھے لوگوں کی ہدایات اور تمام خارجی مؤثرات اور عوامل دراصل اس صلاحیت کو جگاتے ہیں، اسے ایک رخ اور سمت دیتے ہیں، اسے تیز یا کند کرتے ہیں۔ خارجی عوامل اس صلاحیت کی تخلیق نہیں کرتے کیونکہ یہ صلاحیت دورخی صلاحیت، از روئے فطرت تخلیق، از روئے طبیعت، از روئے الہام الٰہی بشر کے اندر موجود ہے۔

☆☆☆

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (91 : 9-10)

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

مطلب یہ ہے کہ ان فطری قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ انسان کے اندر ایک قوت مدرکہ ہے اور اس قوت مدرکہ کی وجہ سے انسان ایک ذمہ دار مخلوق بنایا گیا ہے۔ اس قوت مدرکہ کو جس شخص نے

نفس کی تطہیر کے لیے اور اس کے اندر بھلائی کی استعداد کو بڑھانے کے لیے استعمال کیا اور خیر کی صلاحیت کو شر پر غالب کر دیا تو یہ شخص کامیاب ہو گیا، اور جس شخص نے اپنی قوت عقلیہ کو تاریک کر دیا اور اس کو چھپا کر اور دبا کر کمزور کر دیا تو وہ ناکام ہوا۔

غرض انسان کی مسئولیت اس وجہ سے ہے کہ وہ قوت عقلیہ اور قوت مدرکہ رکھتا ہے، اور اپنی اس قوت کی وجہ سے نفس کے اندر موجود خیر و شر کی صلاحیتوں کو ایک رخ دے سکتا ہے۔ ان صلاحیتوں کو خیر کے میدان میں ڈال کر خیر کو پروان چڑھا سکتا ہے اور شر کے میدان میں ڈال کر شر کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ اس آزادی و اختیار کے نتیجے میں انسان پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اس کی قوت پر فرض عائد ہوا۔ یہ انعام تھا جس کے جواب میں اس پر فرائض عائد ہوئے۔ لیکن اللہ نہایت رحیم ہے۔ انسان کو محض فطری استعداد، عقلی قوت مدرکہ اور فطری الہام و ہدایت کے حوالے ہی نہیں کر دیا گیا، بلکہ آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے گئے جو ان کے لیے مستقل قدریں وضع کرتے رہے۔ انسان کو ایمان کی بنیادی باتیں بتاتے رہے، ایمان و ہدایت کے دلائل سمجھاتے رہے۔ نفس انسانی کے اندر موجود دلائل اور اس کائنات کے آفاق کے اندر موجود اشارات ایمان بھی سمجھاتے رہے۔ انسان کی آنکھوں پر سے ضلالت کے پردے اتارتے رہے تاکہ اسے راہ ہدایت صحیح نظر آئے۔ اور یہ راہ واضح، صاف اور بغیر کسی التباس کے انسان کو معلوم ہو، ہر طرف سنگ ہائے میل نصب کر دیئے تاکہ وہ انسان منزل مقصود تک پہنچے اور جس راہ پر اس نے جانا ہے، علی وجہ البصیرت جائے۔ جس کو بھی وہ اختیار کرے اس پر چلے۔ یہ تھی مختصراً انسان کے بارے میں اللہ کی اسکیم اور مشیت جو کام بھی ہوتا ہے اس کے دائرے کے اندر ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اور اللہ کے مکمل تقدیری نظام کے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتا ہے۔

انسان کی حیثیت اور مقامِ انسانیت کے بارے میں یہ اجمالی اور مختصر تبصرہ اپنے اندر نہایت ہی قیمتی نکات رکھتا ہے جو انسان کی تہذیب اور تربیت کے لیے نہایت مفید ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے حضرت انسان کو نہایت معزز اور مکرم مخلوق قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ اسے اپنے معاملات کا خود مختار اور ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اختیار اور ذمہ داری اگرچہ اللہ کے وسیع تر نظام مشیت اور تقدیر کے اندر ہے، کیونکہ یہ حریت اور اختیار اللہ کی مشیت ہی نے اسے عطا کیا، لیکن اس سے بہرحال اس مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے اور وہ آزاد اور خود مختار مخلوق قرار پاتا ہے۔ یوں اس کائنات میں انسان ایک نہایت ہی بلند و برتر مقام رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مخلوق ہے جسے اللہ نے نہایت اہتمام سے تیار کیا،

پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور اس جہاں کے بہت سے اور بیشتر مخلوقات پر اسے فضیلت دی۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ان آیات میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ انسان اپنے انجام کا خود ذمہ دار ہے۔ سارا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ (دائرہ مشیت الٰہیہ کے اندر اندر جیسا کہ ہم نے وضاحت کی) اس ذمہ داری سے اس کے شعور میں احتیاط اور تقویٰ کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی تقدیر اس کی ذات میں اس طرح کام کرے گی جس طرح وہ اپنے تصرفات اور سرگرمیوں کو رخ دے گا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

''اللہ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت بدلتے نہیں۔''

فی الحقیقت یہ نہایت ہی عظیم ذمہ داری ہے۔ کوئی ذی شعور شخص اس سے غافل اور لاپروا نہیں رہ سکتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ انسانی سوچ کے اندر یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ وہ راہ راست پر ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ کے مستقل پیمانوں اور دائمی قدروں کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ یقین پر ہو کہ اسے اس کی خواہشات نے کہیں غلط راہوں پر تو نہیں ڈال دیا ہے، دھوکا تو نہیں دے دیا تاکہ خواہشات نفس اسے ہلاکت کے راستے پر نہ ڈال دیں۔ اور یہ نہ ہو کہ تقدیر الٰہی کے نتیجے میں وہ کہیں اپنی خواہش کو الٰہ بنا چکا ہو۔ یہی وجہ ہے، اس طرح وہ مطیع شریعت ہونے کے سبب اللہ کے راستوں سے کبھی نہ بھٹکے گا۔ وہ اللہ کی ہدایات کے مطابق چل رہا ہوگا، اور اسی نور سے روشنی حاصل کرے گا جو دنیا کی ان تاریک راہوں پر چلنے کے لیے، اللہ نے اسے عنایت کیا۔ چنانچہ انسان کو اللہ نے اپنی ذات تک پہنچنے کے لیے تزکیۂ نفس اور تطہیر ذات کے لیے بے شمار وسائل عطا کیے ہیں، اس کے ارد گرد نور کے دریا بہہ رہے ہیں، وہ ان میں ہر وقت غسل کر سکتا ہے اور اس کائنات میں معرفت کردگار کے جو سرچشمے رواں دواں ہیں وہ ان میں اپنی ذات کی تطہیر ہر وقت کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ایک زندہ تاریخی مثال سے اس بات کو واضح کیا جاتا ہے کہ کس طرح انسان اپنے نفس کو دنیا کی آلودگیوں میں دفن کر دیتا ہے اور پھر اسے راہ ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ مثال قوم ثمود ہے، جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جن پر سخت عذاب ٹوٹ پڑا اور ہلاک کر دیئے گئے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا o إِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا o فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا o فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا o وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا o﴾ (11:91 تا 15)

''ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا۔ جب اس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی بپھر کر اٹھا تو

اللہ کے رسولؐ نے ان لوگوں سے کہا کہ خبردار، اللہ کی اونٹنی کو (ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے (میں مانع نہ ہونا) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ آخر کار ان کے گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند خاک کر دیا، اور اسے (اپنے اس فعل کے) کسی برے نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔''

قوم ثمود اور ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی کہانی قرآن مجید میں کئی مقامات پر آتی ہے۔ ہر مقام پر ہم نے اس پر بات کی ہے۔ تفصیلات ان مقامات پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں صرف یہ کہا گیا ہے کہ قوم ثمود نے صرف اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے نبی کی تکذیب کی۔ اور اس سرکشی کے سوا کوئی اور جواز اس کے پاس نہ تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ان میں سے ایک نہایت ہی شقی القلب شخص اٹھا اور اس نے ناقۃ اللہ کو قتل کر دیا۔ یہ شخص ان میں نہایت سنگدل اور سرکش تھا کہ وہ اس قدر عظیم جرم کے ارتکاب کے لیے تیار ہو گیا۔ حالانکہ ان کے نبی نے واضح الفاظ میں ان کو متنبہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اس ناقہ کو کوئی گزند نہ پہنچانا، نہ اس پانی میں مداخلت کرنا جس کو اللہ نے تمہارے اور ناقہ کے درمیان تقسیم کر دیا ہے کہ ایک دن تمہارے لیے اور ایک دن اس ناقہ کے لیے ہے اور یہ تقسیم اس لیے ہوئی تھی کہ انہوں نے اللہ کے نبی سے معجزے کا مطالبہ کر دیا تھا تو اللہ نے اس ناقہ کو معجزہ قرار دیا۔ اس ناقہ کی کوئی نہ کوئی معجزانہ شان تو بہر حال ہو گی۔ یہاں ہم اس کی تفصیلات میں نہیں جاتے۔ اس لیے کہ خود اللہ نے اس کے شان اعجاز کی تفصیلات نہیں دی ہیں۔ بہر حال انہوں نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اللہ کی جانب سے ڈرانے والے کی تکذیب کی اور ناقہ کو قتل کر دیا۔ اور جس شخص نے عملاً یہ فعل اپنے ذمہ لیا، وہ ان میں سے بہت زیادہ بدبخت اور شقی تھا۔ لیکن ذمہ داری سب نے لی اور سب ہی ذمہ دار اس لیے قرار پائے کہ انہوں نے اس شخص کو اس برے فعل سے نہ روکا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اسلام کے اصولوں میں سے یہ بنیادی اصول ہے کہ دنیا کی اجتماعی زندگی میں ذمہ داری بھی اجتماعی ہوتی ہے اور یہ اجتماعی ذمہ داری کا قانون اسلام کے انفرادی ذمہ داری کے اصول کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی آخرت میں کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہو گا جو اس نے کمایا، کیونکہ اسلام میں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ کوئی دوسروں کو نصیحت کرنا چھوڑ دے، دوسروں کی اصلاح، ان کی کفالت سے دست کش ہو جائے اور نیکی کرنے اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے پر لوگوں کو نہ ابھارے۔

جب انہوں نے اس عظیم جرم کا ارتکاب کیا تو پھر دست قدرت حرکت میں آیا۔

﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا﴾ (91 : 14)

''آخر کار ان کے گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند خاک کر دیا۔''

''دمدمہ'' کے معنی غضب کے ہوتے ہیں اور غضب کے نتیجے میں جو انتقام اور عذاب آتا ہے۔ لفظ ''دمدم'' کا تلفظ ہی بتاتا ہے کہ وہ عذاب کس قدر سخت ہوگا۔ اس لفظ کا تلفظ اور ترنم ہی ایک خوفناک منظر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اللہ نے ان کی زمین کو اوپر نیچے کر دیا اور برابر کر دیا۔ یہ ایک ایسی تصویر کشی ہے جس سے نہایت ہی ہمہ گیر بربادی کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ (91 : 15)

''اور اسے اس کے کسی برے نتیجے کا خوف نہیں ہے۔''

وہ تو ہر کمزوری سے پاک ہے، وہ کس سے خوف کھا سکتا ہے؟ کہاں خوف کھا سکتا ہے اور کب خائف ہو سکتا ہے؟ دراصل اس انداز تعبیر سے ایک لازمی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی گرفت نہایت سخت ہوتی ہے، اس لیے کہ دنیا کا جو شخص بھی اگر کسی انجام سے نہ ڈرتا ہو تو وہ سخت ترین مظالم ڈھاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی پکڑ سخت ہوگی کیونکہ اللہ سے تو کوئی پوچھنے والا ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ (85 : 12)

''بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہوتی ہے۔''

اس لیے یہ کہہ کر وہ اپنے کسی فعل کے برے نتیجے سے نہیں ڈرتا، یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کی پکڑ بہت شدید ہوگی۔

یوں نفس انسانی کو اس کائنات کے عظیم حقائق کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اور اس کائنات کے مشاہد اور مناظر کے ساتھ نفس انسانی کو متعلق کیا جاتا ہے۔ پھر نفس انسانی اور مشاہد کائنات دونوں کو اللہ کی اس سنت کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جو اس نے سرکشوں اور تکذیب کرنے والوں کی گرفت کے لیے وضع کی ہے۔ یہ سب واقعات اللہ کی تقدیر کے حدود کے اندر ہوتے ہیں۔ جس کے نظام میں اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے۔ ہر حادثہ کا ایک وقت طے شدہ ہے۔ ہر واقعہ کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اس تقدیر کے نظام میں ہر ہر قدم پر حکمت ربانی کارفرما ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ نفس کا بھی رب ہے۔ اس کائنات کا بھی رب ہے اور نظام قضا و قدر کا بھی وہی منتظم ہے۔ لہٰذا یہ سب اس کی وسیع تر اسکیم مشیت کے دائرے میں ہیں۔ (ترجمہ: سید عارف شیرازی)

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

رذائل اخلاق

زنا

زنا سے مراد وہ جنسی فعل ہے جس کا ارتکاب ایک ایسا مرد اور عورت کریں جو آپس میں میاں بیوی نہ ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ایک مرد اور عورت کا بغیر نکاح کئے اور بغیر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے مباشرت کرنا زنا ہے۔ پس زانی سے مراد وہ آدمی ہے جو ایک ایسی عورت سے زنا کرے جو اس کی منکوحہ بیوی نہیں ہے، اور زانیہ سے مراد وہ عورت ہے جو کسی ایسے مرد سے زنا کرے جو اس کا خاوند نہیں ہے۔

قرآن اور سنتِ رسول کے مطابق زنا ایک سنگین گناہ اور جرم ہے۔ قرآن نے حکم دیا ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ وہ سخت بے حیائی کا کام ہے اور بہت برا راستہ ہے (قرآن 32:17)۔ زنا سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے قرآن وحدیث میں بہت سے احکام دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یعنی اپنا ستر ڈھانپیں اور مناسب اور مکمل لباس پہنیں۔ عورتیں جب گھر سے نکلیں تو حجاب کریں یعنی اپنے سر، گردن اور پورے جسم کو چادر سے ڈھانپ لیں اور چادر کا پلو اپنے چہرے پر لٹکا لیں۔ مرد وزن فحاشی وعریانی سے بچیں، بے جا اختلاط سے پرہیز کریں، گانے بجانے اور رقص کی محفلیں منعقد نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ مزید برآں ماں باپ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے لڑکے لڑکیوں کی جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کی شادی کر دیں۔

زنا ایک ایسا سنگین جرم ہے جو اسلام کے حدود قوانین میں آتا ہے جس کی سزا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اور اللہ کے رسول حضرت محمدؐ نے اپنی احادیث میں مقرر فرمائی ہے۔ زانی اور زانیہ کی سزا سو سو کوڑے ہے۔ نبیؐ نے فرمایا ہے کہ اگر زنا کرنے والا مرد یا زنا کرنے والی عورت شادی شدہ ہو تو اس کی سزا رجم ہے یعنی اُسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ زنا کا جرم ثابت کرنے کے لیے چار عینی گواہ ہونے چاہئیں۔ گواہی کا معیار اسلام نے بہت سخت رکھا ہے۔

زنا کے جرم کی سنگینی، اس کی حرمت اور اس کی سزا کے بارے میں درج ذیل آیات قرآن اور احادیث نبوی ﷺ ذہن میں رکھی جائیں۔

آیاتِ قرآن

1- مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو، اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی سبیل (پیدا) کر دے۔
(النساء 15:4)

2- اور جو دو اشخاص تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکوکار ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔ (النساء 16:4)

3- اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ (بنی اسرائیل 32:17)

4- اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک میں ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں۔
(المومنون 23:5-6)

5- زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں ہر ایک کو سو درے مارو اور اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع (اللہ کے حکم) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔ (النور 2:24)

6- .....اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے جانے کے بعد اللہ بخشنے والا ہے۔ (النور 33:24)

احادیث نبوی ﷺ

1- حضرت زیدؓ بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے نبیؐ سے سنا، آپؐ فرما رہے تھے کہ جو زنا کرے اور شادی شدہ نہ ہو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کیا جائے۔
(بخاری)

2- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ماعز اسلمی نبیؐ کے پاس آیا۔ اُس نے چار مرتبہ اپنے نفس پر گواہی دی کہ اُس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ ہر مرتبہ آپؐ اُس سے اعراض

(باقی صفحہ نمبر 37 پر ملاحظہ فرمائیں)

ڈاکٹر عبداللہ محسن

مدینہ منورہ سے تبوک تک

گزشتہ سے پیوستہ.....

مدینہ سے تبوک کے تین راستے

مدینہ سے تبوک پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ سب سے کم فاصلے والا راستہ العلا اور مدائن صالح سے گزر کر جاتا ہے جو چھ سو کلومیٹر ہے۔ دوسرا راستہ خیبر سے گزرتا ہے جو تیما سے ہوتا ہوا تبوک جاتا ہے۔ اس کا فاصلہ 700 کلومیٹر ہے۔ تیسرا راستہ طویل ہے جو ینبوع سے ہو کر سمندر کے ساتھ چلتا ضبا شہر سے ہوتا ہوا تبوک پہنچتا ہے۔ ابھی مدینہ شہر کے قریب کی زیارتوں کی سیر مکمل نہیں ہوئی لیکن پہلے مدینہ سے ڈیڑھ سو کلومیٹر دور غزوۂ بدر کی زیارت کے بارے میں بیان کیا جائے گا۔ آگے مقام شہدائے احد اور مقام غزوۂ خندق کی زیارتوں کا ذکر ہوگا۔

شہدائے بدر کا مقام

ینبوع سے سمندر کے کنارے وہ طویل تاریخی راستہ ہے جو اردن، شام، فلسطین، لبنان اور ترکی کی طرف جاتا ہے۔ اسی راستے پر رسول اللہ (ﷺ) نے جوانی کے دور میں شام کا سفر تجارتی قافلے کے ساتھ کیا تھا اور بعد ازاں آپ کی شادی حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ ہوئی تھی۔ مکہ والوں نے ہر سال کی طرح گرمیوں کا تجارتی قافلہ سن 2 ہجری میں شام بھیجا تھا، لیکن ساتھ یہ بھی اعلان کیا تھا کہ اس کی آمدنی کا ایک خاص حصہ ہر فرد جنگی فنڈ میں دے گا جو مسلمانوں پر حملے کے لیے استعمال ہوگا۔ اس لیے اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو تیار کیا کہ اس قافلے پر حملہ کیا جائے۔ مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان قافلے پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو انہوں نے ایک ہزار جنگجوؤں کی مسلح فوج قافلہ کی حفاظت کی نیت سے روانہ کر دی۔ قافلہ تو مسلمانوں سے بچ نکلا لیکن اللہ کی مرضی سے بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گیا۔ اس معرکے میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح عظیم سے نوازا۔ کفار کے ستر لوگ مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ ان کا غرور خاک میں مل گیا۔

چودہ مسلمان اس معرکے میں شہید ہوئے جن کی تدفین وہیں پر کر دی گئی۔ یہ مقام مدینہ سے ڈیڑھ سو کلومیٹر دور ہے۔ میں نے پندرہ برس قبل فیملی کے ہمراہ اس کی زیارت کی تھی۔ شہدا کے میدان

کے گرد 6 فٹ اونچی چار دیواری کر دی گئی ہے۔ اس میں داخلے کا کوئی راستہ نہیں ملا تو میں نے تھوڑا اوپر ہو کر میدان کا نظارہ کیا۔ اس مقام کو زیارت کے لیے صبح کے اوقات میں کھولا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس فتح کی اہمیت کبھی کم نہیں ہو سکتی۔ جنگ سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی: اگر آج یہ چند مسلمان ختم ہو گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہ جائے گا۔ اللہ نے اپنے فرشتوں سے مدد فرما دی۔ غزوہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال نازل فرما کر اس کے بارے میں اپنا بیان مسلمانوں کو بتایا اور اس دن کو یوم الفرقان قرار دیا۔

تبوک کی تاریخی مسجد رسول ﷺ

مدینہ سے تبوک پہنچیں تو وہاں مسجد رسول (ﷺ) موجود ہے۔ یہ اس جگہ پر تعمیر کی گئی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔ اس تاریخی مسجد کی زیارت بھی آپ کو کروائیں گے اور تینوں راستوں پر آنے والے اہم شہروں اور تاریخی مقامات کی سیر بھی آئندہ کروائی جائے گی۔ حضرت محمد (ﷺ)، حضرت موسیٰ (علیہ السلام)، حضرت صالح (علیہ السلام)، حضرت شعیب (علیہ السلام) اور دیگر انبیاء کے آثار یہاں موجود ہیں۔ ان سب جگہوں پر بھی آپ کو لے کر جائیں گی۔ کئی ہزار سال کی تاریخ آپ کے سامنے آجائے گی، لیکن پہلے مدینہ کی بقیہ زیارتوں اور مدینہ کی چند اہم چیزوں کا حال بیان کیا جائے گا۔ اس کے بعد تبوک کی طرف روانہ ہوں گے۔

مقامِ شہدائے احد

مسجد نبوی (ﷺ) سے احد کا پہاڑ 5 کلومیٹر کے فاصلے ہے۔ باب فہد سے یہ پہاڑ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں سے سیدھی سڑک احد کی طرف جاتی ہے۔ اب ایک بڑی سڑک مسجد سے احد تک بنائی جا رہی ہے جس میں گرین بیلٹ کے ساتھ سائیکل اور پیدل چلنے والوں کے لیے الگ الگ ٹریک ہوں گے۔ یہ براؤن رنگ کا پہاڑ ہے اور اس کی بلندی زیادہ نہیں جبکہ اس کی لمبائی سات کلومیٹر ہے۔ جس ٹیلہ پر تیر اندازوں کو بٹھایا گیا تھا، وہ بلندی میں اب کافی چھوٹا رہ گیا ہے۔ اللہ کے رسول (ﷺ) نے فرمایا: احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (طبرانی)

غزوۂ احد 3 ہجری میں ہوئی۔ بدر کی شکست کے بعد مکہ والوں نے بدلہ لینے کا اعلان کر دیا۔ ابوسفیان (جو بعد میں ایمان لے آئے) نے لذیذ کھانے خود پر حرام کر لیے اور جنگ کے لیے فنڈ اکٹھا کیا۔ تین ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے مشورے کے بعد شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں نکلے لیکن تین سو منافق

راستے ہی میں ان سے الگ ہو گئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک ٹیلے پر 50 تیراندازتعینات کئے کہ ہر حال میں یہاں موجود رہیں۔ جنگ کے آغاز میں مسلمانوں نے پیش رفت کی اور کفار بیس افراد کے مرنے کے بعد پیچھے ہٹے تو تیراندازوں نے اپنے امیر کے روکنے کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ دی۔ کفار نے پلٹ کر عقب سے ٹیلے کے راستے سے حملہ کیا تو مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کے مارے جانے پر رسول اللہ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی اور کفار مسلمانوں پر چڑھ دوڑے۔ اللہ کے رسول (ﷺ) زخمی ہو گئے لیکن اس حالت میں بھی مردانہ وار قیادت کرتے رہے۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے۔ بالآخر چند جاں ثاروں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کفار میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ ان شہدا کی تدفین احد کے دامن میں کی گئی جس کے گرداب چاردیواری بنادی گئی ہے۔

شہدائے احد کی نماز جنازہ وہیں پر ادا کی گئی۔ شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے، نہ اس کے جسم سے خون صاف کیا جاتا ہے۔ دس شہدا کے جنازے ایک ساتھ لائے جاتے اور ان کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی گئی۔ لیکن حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی میت ہر بار شریک ہوتی تھی۔ یعنی ہر بار نو شہدا لائے جاتے اور حضرت حمزہ کی میت ہر نماز میں موجود ہوتی۔ (روایت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر۔ طحاوی)

رسول اللہ شہدائے احد کے مقام پر تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری) آپ کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا بھی یہی معمول رہا۔ ایک بار حضرت محمد (ﷺ) احد پر تشریف لے گئے تو فرمایا: یا اللہ تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 ص 135)

غزوۂ احد میں ستر صحابی زخمی ہوئے۔ مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں کوئی شہید یا زخمی نہ ہو۔ لیکن مسلمانوں کا حوصلہ بہت بلند تھا اور کسی نے ان مشکلات پر واویلا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان حالات کے بارے میں ہدایات دیں اور منافقین کی غلط باتوں کا جواب بھی دیا۔ مسلمانوں نے منافقین کے پروپیگنڈہ پر قطعاً کان نہیں دھرا۔ جنگ میں زخمی چند صحابہ کرامؓ بعد ازاں مدینہ میں شہید ہوئے اور ان کی تدفین جنت البقیع میں کی گئی۔ سورہ آل عمران میں مسلمانوں کو اس جنگ کے بعد ہدایات دی گئیں جو آیت نمبر 120 سے شروع ہوتی ہیں اور اگلی ساٹھ آیتوں تک چلتی ہیں۔

غزوۂ احد میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا

ام عمارہ (رضی اللہ عنہا) غزوۂ احد کے موقع پر اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ساتھ اسلامی لشکر میں شامل تھیں۔ پہلے تو یہ مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔ جب کفار نے پلٹ کر حملہ کیا اور مسلمان بدحواسی میں منتشر ہو گئے تو کفار رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ ایسے میں انہوں نے مشک پھینک دی اور ایک خنجر کے ساتھ کفار پر حملہ آور ہو گئیں۔ کفار کے تیر اور تلوار روکتی رہیں۔ چنانچہ ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: احد کے روز میں جدھر بھی نظر اٹھاتا تھا، ادھر ام عمارہ کو دیکھتا تھا۔

ابن قیمہ ملعون نے رسول اللہ ﷺ پر وار کیا تو اس کا وار آگے بڑھ کر اپنے جسم پر روکا جس سے کندھے میں گہرا زخم پڑ گیا لیکن میدان جنگ نہیں چھوڑا۔ ان کے صاحبزادے کا کہنا ہے کہ احد کے روز ایک کافر نے مجھے زخمی کر دیا اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ نے اپنا کپڑا پھاڑ کر میرے زخم پر باندھ دیا اور کہا: اٹھو اور لڑائی میں حصہ لو تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جنگ کے بعد ام عمارہ نے رسول اللہ (ﷺ) سے کہا کہ ہمارے لیے دعا فرمائیے کہ ہمیں جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا موقع مل جائے۔ آپ نے دعا فرمائی: یا اللہ ان سب کو جنت میں میرا ساتھی بنا دے۔ **اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ یا اللہ**

☆.....☆.....☆

انتقال پُر ملال

☆ ماہنامہ بیدار کے سرپرست اعلیٰ شیخ آصف احمد صاحب کے بڑے بھائی محترم شیخ ظفر اقبال صاحب 5 مئی دارِ فانی سے جہانِ ابدالآباد کی طرف کوچ کر گئے۔ مرحوم نہایت خوش اخلاق اور ملنسار انسان تھے۔ تمام قارئین دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، آمین۔

☆ شانِ اسلام گرلز ہائی سکول شفیق آباد بند روڈ لاہور کی سنیئر معلّمہ محترمہ فضیلت فضل 25 اپریل کو انتقال کر گئیں۔ تمام قارئین ان کے لیے دعائے مغفرت کریں، شکریہ۔

خواجہ محمد اسلم (امیر تحریک رحمت)

فلسفۂ عہد و میثاق

اَلْعَہْد کے معنی ہیں: کسی چیز کی پیہم نگہداشت و پاسداری کرنا۔ اس بنا پر اُس پختہ وعدہ کو بھی عہد کہا جاتا ہے جس کی نگہداشت و پاسداری ضروری ہو۔ (المفردات)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَہْدِ اِنَّ الْعَہْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء: 24)

''اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ عہد کے متعلق یقیناً باز پرس ہوگی۔''

عہد، وفاداری کو بھی کہتے ہیں۔ (تاج)

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِہِمْ مِّنْ عَہْدٍ﴾ (الاعراف:102)

''ہم نے اُن میں بہتوں کو عہد پر ثابت قدم نہ پایا۔''

عہد تاکیدی حکم کو بھی کہتے ہیں۔ (مصباح)

﴿اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لاَّ تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ﴾ (یٰس : 60)

''اے بنی آدم (Mankind)! کیا میں نے تمہیں تاکیدی حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت یا بندگی (فرمانبرداری) نہ کرنا یعنی اُس کے کہنے پر نہ چلنا۔

وَثِقَ کے معنی ہیں: اُحْکِمَ یا اِسْتَحْکَمَ ، یعنی وہ مضبوط، محکم، قائم و دائم یا استوار تھا یا ہو گیا (مصبارح، صحاح، المغرب، قاموس)

میثاق: پختہ عہد و پیمان، جو قسموں کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہو (المفردات)، معاہدہ، اقرار نامہ، وعدہ، حلف (صحاح، قاموس)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَہُمْ﴾ (الاحزاب:7)

''اور جب ہم نے نبیوں سے پختہ عہد لیا۔''

اَلْوَثِیْقَۃُ ، وَثِقْیَۃٌ

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَلَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ﴾ (الرعد:20)

''جولوگ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو نہیں توڑتے۔''

کلمہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد و پیمان ہے، جسے ایمان لانا کہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ صرف اُسے ہی اپنا اِلٰہ یعنی معبود ومحبوب اور حاکم اعلیٰ سمجھیں گے اور صرف اُسی کے احکام وتعلیمات کے مطابق زندگی کریں گے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس میں اپنے عہد کو دُہرا دُہرا کر مضبوط کرتے رہتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں ہمارے احوال وظروف اور ہوتے ہیں۔ ہم رشتہ داریوں کو پاس کرتے ہیں نہ ہمسایوں کا اور نہ حاجتمندوں کی طرف دھیان دیتے ہیں، نیز ہم محرومین کے حق (معلوم) کے بارے میں حکومت اور لوگوں کو ترغیب نہیں دیتے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور حج ادا کرتے ہیں، لیکن اُن کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ معاشرے کو اسلامی بنانے کے لیے جدوجہد نہیں کرتے۔ دوسرے لفظوں میں، پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد و پیمان کر کے توڑ دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن حکیم فاسق کہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفَمَنۡ کَانَ مُؤۡمِنًا کَمَنۡ کَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ﴾ (السجدہ: 18)

آیا وہ شخص جو احکامِ الٰہیہ کو ماننے والا ہے اُس شخص ایسا ہوسکتا ہے جو احکامِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے والا ہو (یعنی مان کر اُس پر عمل نہ کرنے والا ہو)؟ (حقیقت یہ ہے کہ) دونوں ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔

طاعت وخود سپردگی (Submission and surrender) اور تسلیم ورضا ہی حقیقی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے اور اس سے روگردانی کرنے والے اپنے اِلٰہ جمیل اور ربِّ عاشق کے قُرب و رضوان اور اس کے انعام وفضل سے محروم رہنے والے ہیں اور اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی میں ڈالنے والے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ o الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ o﴾ (البقرہ: 27)

بے شک وہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہی میں بھٹکنے نہیں دیتا۔ (فاسق لوگ وہ ہیں) جو اللہ

تعالیٰ سے عہد و پیمان (Covenant) کو پختہ کر کے توڑ دیتے ہیں اور اُن (معاہدوں اور رشتوں کو) منقطع کر دیتے ہیں، جن کو استوار رکھنے کا اللہ نے قطعی حکم دیا ہے، اور اس طرح دنیا یا ملک میں بدنظمی و برہمی پیدا کرتے ہیں۔ یہی لوگ (دنیا اور آخرت میں) گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

قرآن حکیم کی رو سے وہ لوگ فاسق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے کہ وہ اُسے ہی اپنا الٰہ و رب تسلیم کر کے اُسی کے احکام و تعلیمات کے مطابق اپنی کُل زندگی کریں گے، لیکن عملی زندگی میں وہ اسے فراموش کرتے ہیں، اور اس طرح عہد شکنی کر کے اپنے آپ پر اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ نیز ان رشتوں اور معاہدات وغیرہ کو توڑنا ان کا شعارِ زندگی ہوتا ہے، جن کا اُستوار رکھنا اُن کے رب نے اُن پر لازم کر رکھا ہے۔ علاوہ بریں وہ اپنے گھر، خاندان، معاشرے، ملک یا دنیا میں فتنہ و انتشار اور خرابی و برہمی پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی لوگ ہیں جو اپنی کُل زندگی کی جمالیاتی ثروت (Aesthetic riches) کو ضائع و برباد کرنے والے ہیں، لہٰذا دنیا و آخرت دونوں میں گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

قرآن حکیم نے اپنی سنت کے مطابق مذکورہ بالا آیات کریمہ میں فاسقوں یعنی عہد کو پختہ کر کے توڑنے والوں کے تین اہم خصائل کی صراحت خود ہی کر دی ہے:

اول: وہ پہلے کلمہ پڑھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کا عہد و پیمان ہوتا ہے، جسے ایمان لانا کہتے ہیں۔ پھر وہ اس عہد کی رو سے اسلامی معاشرے کا فرد بن کر اپنے آپ کو مومن سمجھتے اور کہلاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے عہد کو مضبوط کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفسیاتی مرض نفاق کے سبب وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ اس عہد شکنی کی ایک بصیرت افروز مثال یہ ہے کہ وہ دین اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوتے، یعنی بعض احکامِ الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں اور بعض پر نہیں۔ مثلاً وہ صلوٰۃ تو ادا کرتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ زکوٰۃ پوری دیتے ہیں نہ قرآن و سنت حسنہ کے مطابق، نیز وہ العفو بھی نہیں دیتے نہ حاجتمندوں سے مالی تعاون کرتے ہیں۔ بخل کرتے، سود کھاتے اور حرام خوری کرتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ حج اور عمرہ بھی کرتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں۔

دوم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عہد شکنی ونافرمانی کے نتیجے میں فاسق، عاقبت نااندیش اور طبیعت کے چھوٹ ہوجاتے ہیں، اور اُن تمام رشتوں، رابطوں، وعدوں اور معاہدوں کو توڑنے میں عار محسوس نہیں کرتے جن کو استوار رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حتمی حکم دیا ہے۔ مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی معبودیت وربوبیت اور انسان کی عبدیت ومربوبیت کا رشتہ، وحدت دین کا رشتہ، دینی اخوت ومحبت کا رشتہ، عائلی، خاندانی، عمرانی، قومی، ملی یا انسانی رشتہ، نیز معاشی اقتصادی، سیاسی، ثقافتی یا عسکری معاہدت، اور قسمیں، وعدے، وغیرہ وغیرہ۔

سوم: وہ دنیا میں برہمی وانتشار اور خرابی پیدا کرتے ہیں۔ جنگ وجدال، فتنہ وفساد، رشوت ستانی، سودخوری وسودکاری، بددیانتی، سمگلنگ، تخریب کاری اور انسان کے بنیادی حقوق کو پامال کرتے اور اس طرح حیات انسانی کا توازن بگاڑتے ہیں۔ تلمیحاتی انداز میں وہ دنیا میں فرعونی، ہامانی، قارونی اور آزری کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اُس کے قرب ورضوان اور دنیوی واُخروی حسنہ سے محروم رہنے والے ہیں۔ کیا اس سے بڑا نقصان اور بھی ہوسکتا ہے؟ کیا اس سے بڑی محرومی اور بھی ہوسکتی ہے؟ اگر نہیں ہوسکتی تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم بھی فاسق وزِیاں کار تو نہیں؟

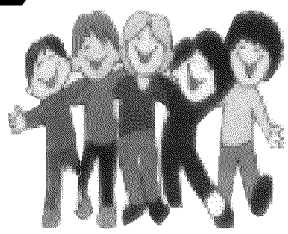

ہماری ہدایت، یعنی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ہم کُل زندگی کے لحاظ سے خسارے میں ہیں یا نفع میں، ربِّ رحمٰن نے اپنی رحمت سے ہمیں سورۂ عصر مرحمت فرمائی ہے جو اس کا سچا، فطری اور بے عدیل معیار ہے۔ اس الوہی معیار کی رو سے خسارے سے وہ لوگ بچتے ہیں جو مومن، صالح، گرویدۂ حق اور صابر ہوتے ہیں، نیز ایک دوسرے کو حق وصبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ (العصر: 1 تا 3)

مرتضیٰ احمد خاں

سیلِ عرم

اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے شاعرانہ اکتاہٹ اور ناشکری

راستہ مٹی کی اس ضخیم تہ کے نیچے دب کر ناپید ہو چکا تھا جو سیلاب کے گزرنے اور پانی کے خشک ہو جانے کے بعد سطحِ ارضی پر جم جایا کرتی ہے۔ چاروں طرف جھاڑ اور سرکنڈے کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، جن کو گیدڑوں، لومڑیوں اور کئی قسم کے دوسرے جنگلی جانوروں نے آباد کر رکھا تھا۔ کہیں کہیں ببول اور بیری کے خودرَو پودے بھی جھاڑیوں سے سر نکالتے ہوئے اور ان کانٹوں کی پرورش کرتے ہوئے دیکھائی دیتے تھے جو اس جنگل میں سے گزرنے والے انسانوں کے تلووں کو درد کی لذت سے آشنا کر سکیں۔ ثمر دار درخت میل ہا میل تک کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اگر سیب یا انار یا کسی اور پھل کا کوئی پودا مل بھی جاتا تو اس کا ماحصل اس قدر کڑوا، ترش اور بدذائقہ ہوتا تھا کہ انسان کا حلق اسے نگلنے سے صاف انکار کر دیتا۔ دن کے وقت آفتاب کی تمازت اور حرور کی حدت یہ کہتی سنائی دیتی تھی کہ اس سرزمین نے مدت سے بادلوں کے سائے کا نام ونشان تک نہیں دیکھا۔

اس ماحول میں ملک شام کا ایک شتر سوار ملک یمن میں سے گزر رہا تھا اور تعجب کر رہا تھا کہ اس ملک کی آبادیاں جو اپنی گنجانی کے باعث شہرۂ آفاق تھیں کدھر چلی گئیں اور اس کی سرسبزیاں اور شادابیاں جن پر ملکۂ سبا کی عظمت وشوکت کے افسانے شاہد ودال تھے، کہاں مفقود ہو گئیں۔

کامل دس دن اس یکہ وتنہا مسافر کو اس سرزمین میں کسی انسان کی صورت دکھائی نہ دی اور نہ اُسے کوئی ایسے آثار نظر آئے جن سے وہ اندازہ لگا سکتا کہ وہ کسی معمورۂ انسانی کے قریب پہنچ گیا ہے۔

دن کے وقت ببولوں کے سائے میں سستا سستا کر اور رات کے وقت جنگلی جانوروں کے ہیبت ناک شور وغل کے درمیان بسیرا کر کے وہ شب وروز اس سمت کی طرف چلتا گیا جس کی طرف رخ کرنے سے قطب شمالی کا ستارہ اس کے سر کے پیچھے رہتا تھا اور صبح کو طلوع ہونے والا آفتاب اُس کے بائیں ہاتھ کی سمت سے نکلتا تھا۔

گیارھویں دن وہ جنگل میں آباد ہونے والے خانہ بدوش انسانوں کی ایک آبادی میں پہنچا جو

سرکنڈے سے بنائے ہوئے چھپروں اور اونٹ کی کھال سے بنائے ہوئے خیموں میں مقیم تھے۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی ایک مختصر سی جماعت اس مسافر کے گرد جمع ہوگئی۔ سب نے اس نو وارد کو اہلاً وسہلاً کہا اور وطن مالوف، منزل مقصود اور مقصد سفر کے متعلق معمولی استفسارات کر کے سب اپنے اپنے دھندوں میں مشغول ہوگئے۔ شیخ قبیلہ نے جو اسّی سال کا ایک عمرہ رسیدہ بزرگ تھا، مسافر کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلایا۔

شیخ اور شامی مسافر اکیلے رہ گئے۔ ان کے مابین ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ شام کی سرزمین اور وہاں کے باشندوں کے حالات کے متعلق عام استفسارات کرنے کے بعد شیخ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا: ''کبھی ہمارا ملک بھی سرسبزی و شادابی میں رشکِ فردوس تھا۔ ہماری قوم بھی خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ہماری زمین جو اب جھاڑ اور سرکنڈے کی جھاڑیوں اور ببول کے پودوں سے پٹی پڑی ہے سات سال پیشتر لہلہاتی ہوئی سرسبز کھیتیوں اور ثمرات سے لدے ہوئے باغوں سے معمور تھی جن میں انسان بلبلوں کی طرح چہچہاتے پھرتے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی اور تجارت کی گرم بازاری نے ہمیں مغرور کر دیا اور ہم اس خالق اکبر کی ناشکر گزاری کرنے لگے، جس نے ہمیں ہر قسم کا عروج دے رکھا تھا۔ ہم سب گناہ گار ہوگئے اور ہم پر خدا کا غضب ایک ہیبت ناک شکل میں نازل ہوا۔ ہم چین سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ کوہستان پر بارشیں برسنے لگیں اور پانی کا ایک سیل رواں غراتا ہوا پہاڑوں پر اُترا جس نے ملک سبا کی ساری زمین میں تباہی پھیلا دی۔ ہمارے کھیت اُجڑ گئے، ہمارے باغات ویران ہوگئے، ہماری بستیاں سیلاب کے آگے بہہ نکلیں۔ ہزاروں انسان اور لاکھوں حیوان اس سیلاب کی لپیٹ میں آ کر مر گئے۔ ہر طرف لاشیں بہتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ہماری قوم اس سیل عام کو روکنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکی۔ جو آبادیاں پہاڑوں کے دامن سے ذرا دور واقع ہوئی تھیں انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے بند تعمیر کیے لیکن سیلاب نے وہ بند بھی توڑ ڈالے اور آبادیاں بھی ویران کر دیں۔ بہت کم لوگ اس مصیبت سے بچ سکے اور زمین سراسر ویران اور بے آباد ہوگئی۔''

چند لمحے توقف کرنے کے بعد شیخ قبیلہ نے شامی مسافر سے کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی بولے ہوئے استکبار کے باعث وقوع پذیر ہوا۔ ہماری شامت اعمال سیلاب کی صورت میں سامنے آ گئی۔ ہمارے لوگوں کی طبیعتیں خوشحالی کی زندگی سے سیر ہوگئی تھیں۔ پروردگار عالم کی حمد و ثنا کرنے کے بجائے ہم اس کی دی ہوئی نعمتوں کا استخفاف کرنے لگے اور ایسے گیت گایا کرتے تھے جن میں اس

تباہی و بربادی کی تمنا کی جاتی تھی۔ اگر تم ہماری قوم کی ناشکرگزاریوں کا حال معلوم کرنا چاہو تو اس کتبہ کو جا کر پڑھو جو ہماری قوم کے ایک شاعر نے مینار پر کندہ کرایا تھا اور جواب بھی قریب کے جنگل میں ہماری قوم کے غرور اور استکبار پر شہادت دے رہا ہے۔

شامی مسافر نے جنگل میں جا کر ایک قدآدم مینار کو دیکھا جو پتھر کی ایک سالم چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس مینار پر اس زمانہ کے رسم الخط میں چند اشعار کا ایک قصیدہ کندہ کرا دیا گیا تھا، جس کا مفہوم ذیل کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے:

''سباوالے سفر کے لطف سے محروم ہو گئے کیونکہ ان کے ہاں ہر طرف باغات اور ہر طرف آبادیاں نظر آ رہی ہیں۔ عدن سے لے کر اُمُّ الْقُریٰ تک چلے جاؤ۔ یمین و یسار پر لہلہاتے کھیتوں اور ثمر دار باغوں کے سوا اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اس راہ پر قدم قدم پر منزلیں اور جا بجا آبادیاں ہیں۔ گویا عدن سے لے کر مکہ تک ایک ہی بازار ہے جس میں ہر قوم کے لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں۔

مسافر کا قدم ایک آبادی کی حد سے باہر بھی نکلنے نہیں پاتا کہ نگاہیں دوسری آبادی کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں۔ ہماری سواریوں کے اونٹ ایک شب و روز کی مسلسل تشنگی کے لطف سے بھی لذت اندوز نہیں ہو سکتے۔ سفر کا لطف حضرموت یا رُبع خالی صحراؤں میں ہے جہاں ریت کا ایک بحر ناپید اکنار پھیلا ہوا ہے۔ جہاں منزلوں تک کسی نخلستان کا نام و نشان نظر نہیں آتا اور کوئی انسان یا حیوان دکھائی نہیں دیتا۔ ہماری قوم کے راہرو اس کیفیت کے لطف سے سراسر ناآشنا ہیں جو لق و دق صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھ سے پانی نکال کر اور اسے نوش جان کر کے پیاس بجھانے میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ ہم آسانی سے زندگی کے سامان حاصل کر لیتے ہیں اور حصول معاش کے لیے کچھ بہت زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ ہماری قوم کے افراد اس قدر کیوں بڑھ گئے ہیں کہ ان کی آبادیوں کے باعث ہمارے اونٹوں کو اپنی دوڑ کا حوصلہ نکالنے کے لیے میدان نہیں مل سکتا۔ کیا یمن اور سبا میں بھی یہ کیفیت حاصل ہو سکے گی کہ ہم اپنی سانڈھنیوں پر سوار ہو کر شب و روز چلتے جائیں اور بادسموم ہمارے عزائم اور ہماری قوت برداشت کا امتحان لے رہی ہو۔ انسان کی کوئی آبادی ہمارے مسافروں کو اہلاً وسہلاً و مرحبا کہنے والی موجود نہ ہو۔''

شامی مسافر نے یہ کتبہ پڑھا اور اُس نے سمجھ لیا کہ سبا کے لوگ قادرِ مطلق کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکرگزاری کرنے کے باعث کون سے روحانی امراض میں مبتلا ہو چکے تھے جو اُن پر سیل عرم کی سی ہولناک تباہی لانے پر منتج ہوئے۔

علامہ اقبالؒ

اسرارِ خودی اور تصوّف

اکثر احباب نے اس امر کی شکایت کی ہے کہ اقبال نے تصوّف کی مخالفت کی ہے اور بہت سے استفسار میرے پاس پہنچے ہیں۔ مجھے اس امر کی شکایت ہے کہ اس وقت بہت کم لوگ ہندوستان میں ہیں جنہوں نے اسلامی لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ مسلمانوں کی ذہنی تاریخ میں عجیب وغریب قسم کی عقلی اور مذہبی تحریکوں کا نشان ملتا ہے اور یہ بات کچھ اسلامی تہذیب کی تاریخ سے خاص نہیں بلکہ دنیا کی ہر تہذیب کی تاریخ میں ایسی تحریکیں پیدا ہوا کرتی ہیں اور مورِ دِ زمانہ سے ان تحریکوں میں ایسے عناصر کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے جو اس تہذیب کی خاص روایات سے تعلق نہیں رکھتے۔ تصوف کا لٹریچر بہت وسیع ہے اور اس گروہ میں عجیب وغریب حالات رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس امر کے متعلق کچھ آگاہی چاہتے ہوں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علامہ ابنِ جوزی کی 'تلبیس اِبلیس' کے اس حصّہ کا مطالعہ کریں جو انہوں نے تصوّف پر لکھا ہے۔ علمائے اسلام نے صوفیہ کے متعلق اور بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر وہ کتابیں آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ عام ناظرین کے لیے علامہ ابنِ جوزی کی کتاب کافی ہے جو اُردو میں بھی شائع ہوگئی ہے۔

اگر وقت نے مساعدت کی تو میں تحریک تصوّف کی ایک مفصّل تاریخ لکھوں گا، ان شاءاللہ۔ ایسا کرنا تصوّف پر حملہ نہیں بلکہ تصوّف کی خیر خواہی ہے کیونکہ میرا مقصد یہ دکھانا ہوگا کہ اس تحریک میں غیر اسلامی عناصر کون کون سے ہیں اور اسلامی عناصر کون کون سے۔ اس وقت صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہوگا کہ یہ تحریک غیر اسلامی عناصر سے خالی نہیں اور میں اگر مخالف ہوں تو صرف ایک گروہ کا جس نے محمد عربی ﷺ کے نام پر بیعت لے کر دانستہ یا نادانستہ ایسے مسائل کی تعلیم دی ہے جو مذہبِ اسلام سے تعلق نہیں رکھتے۔ حضراتِ صوفیہ میں جو گروہ رسُول اللہ ﷺ کی راہ پر قائم ہے اور سیرتِ صدیقی کو اپنے سامنے رکھتا ہے، میں اس گروہ کا خاکِ پا ہوں اور ان کی محبت کو سعادتِ دارین کا باعث تصور کرتا ہوں۔ مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ مَیں ایک عرصے تک ایسے عقائد ومسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے مثلاً شیخ محی الدّین ابنِ عربی کا مسئلہ قِدم ارواحِ کملا،

مثلاً وحدتُ الوجود، مسئلہ تنزلاتِ ستّہ یا دیگر مسائل جن میں بعض کا ذکر عبدالکریم جیلی نے اپنی کتاب 'انسان کامل' میں کیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مسائل میرے نزدیک مذہبِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، گو مَیں ان ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ انہوں نے نیک نیتی سے ان مسائل کا اِستنباط قرآن شریف سے کیا ہے۔ مسئلہِ قدمِ ارواح افلاطونی ہے۔ بوعلی سینا اور ابونصر فارابی دونوں اس کے قائل تھے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس وجہ سے دونوں بزرگوں کی تکفیر کی ہے۔ شیخ عربی نے اس مسئلہ میں اس قدر ترمیم کی ہے کہ وہ صلحا و کملاء کے ارواح کے قدِم کے قائل ہوئے مگر ظاہر ہے کہ اصول وہی ہے اور مسلمانوں میں اس مسئلہ نے قبر پرستی کی بنیاد رکھی ہے۔ تنزلات ستّہ افلاطونیتِ جدیدہ کے بانی پلوٹانیس کا تجویز کردہ ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراحل میں افلاطونیت جدیدہ کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا اور اس ترجمے کا نام الٰہیاتِ ارسطو رکھا گیا۔ مسلمان اب تک اس کتاب کے مضمون کو فلسفۂ ارسطو تصوّر کرتے ہیں، حالانکہ اٹلی کے پروفیسر ڈی تریچی نے نہایت قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کتاب کو الٰہیاتِ ارسطو سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ پلوٹانیس کے خیالات کا عربی ترجمہ ہے۔ غرضکہ مسئلہ تنزلاتِ ستّہ اس طرح یونانی فلسفے سے منتقل ہو کر مسلمانوں میں مروج ہوا اور بعد میں اسلامی حکماء وصوفیاء نے اپنی اپنی اغراض کے مطابق اصطلاحاتِ اسلامیہ میں بیان کیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول (یہ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ مرشد سعدی علیہ الرحمتہ سے مختلف ہیں) نے حکمت الاشراق میں اس مسئلے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اسلام سے پہلے زرتشی عنصر کی تصدیق وتوثیق کے لیے قرآن کی مشہور آیات اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالارض میں تلاش کی ہے۔ اس وقت ہندوستان میں بہت سے صوفی حضرات اس مسئلہ کے قائل ہیں اور غالبًا اس وجہ سے کہ وہ اس تاریخ سے آگاہ نہیں۔ مسئلہ وحدتُ الوجود گویا مسئلہ تنزلاتِ ستّہ کی فلسفیانہ تکمیل ہے بلکہ یوں کہئے کہ عقلِ انسانی خود بخود تنزلاتِ ستّہ سے وحدت الوجود تک پہنچی ہے۔ اکثر صرف اس مسئلے کے قائل ہیں بعض اس طرح کہ وحدت الوجود ایک حقیقت نفسِ امری ہے اور بعض اس طرح کہ یہ محض ایک کیفیتِ قلبی یا مقام کا نام ہے۔ میرا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نظامِ عالم میں جاری وساری نہیں بلکہ نظامِ عالم کا خالق ہے اور اُس کی ربوبیّت کی وجہ سے یہ نظام قائم ہے۔ جب وہ چاہے گا اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حکماء کا مذہب تو جو کچھ ہے اس سے بحث نہیں، رونا اس بات کا ہے کہ یہ مسئلہ اسلامی لٹریچر کا ایک غیر منفک عنصر بن

گیا ہے اور اس کے ذمہ دار زیادہ تر صوفی شاعر ہیں جو پست اخلاق اس فلسفیانہ اصول سے بطور نتیجہ کے پیدا ہوتے ہیں۔ان کا بہترین گواہ فارسی کا لٹریچر ہے (یہ خدا کا فضل ہے کہ عربی لٹریچر اس مسئلے کے زہریلے اثر سے محفوظ رہا) مُلّا حسین گیلانی فرماتے ہیں ؎

نے در طلب سمورو نے ا طلش باش
درویدۂ اعتبار خارو خس باش
خواہی کہ سرے برون کنی از منزل
چوں جا دہ پا مال کس و ناکس باش

بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ مُلّا حسین گیلانی کے خیال میں اِنتہائے کمال روحِ اِنسانی اپنی شخصیت کو فنا کر دیتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حقیقتِ انسانی ''گستن'' نہیں بلکہ ''پیوستن'' ہے۔ یہ لاکھوں مثالوں میں سے ایک مثال ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فارسی لٹریچر تمام وکمال اس زہر سے متاثر ہے۔ گو چند مستثنیات ضرور ہیں لیکن پنجاب کے ناظرین کو ایک پنجابی شاعر کا قول شاید بہت پسند آئے۔اس سے میرا مطلب بخوبی واضح ہو جائے گا۔وحید خاں ایک پنجابی شاعر تھا جو کسی ہندو جوگی کا مرید ہو کر فلسفۂ ویدانیت (ویدانیت اور وحدت الوجود ایک ہی چیز ہے) کا قائل ہو گیا تھا۔اس تبدیلیٔ خیال وعقیدہ نے جو اثر اس پر کیا ہے اسے وہ خود بیان کرتا ہے ؎

تھے ہم پوت پٹھان کے دَل کے دَل دیں موڑ
شرن پڑے رگناتھ کے سکیں نہ تنکا توڑ

یعنی مَیں پٹھان تھا اور فوجوں کے منہ موڑ سکتا تھا، مگر جب سے رگناتھ جی کے قدم پکڑے ہیں یا بالفاظ دیگر یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر چیز میں خدا کا وجود جاری وساری ہے، مَیں ایک تنکا بھی نہیں توڑ سکتا، کیونکہ توڑنے میں تنکے کو دُکھ پہنچنے کا احتمال ہے۔

کاش وحید خاں کو یہ معلوم ہوتا کہ زندگی نام ہی دکھ اٹھانے اور دکھ پہنچانے کی قوت رکھنے کا ہے۔ زندگی کا مقصد زندگی ہے نہ موت۔

مندرجہ بالا سطور سے آپ کو معلوم ہوگا کہ فلسفیانہ اور مؤرخانہ اعتبار سے مجھے بعض ایسے مسائل سے اختلاف ہے جو حقیقت میں فلسفے کے مسائل ہیں مگر جن کو عام طور پر تصوّف کے مسائل سمجھا جاتا ہے۔تصوّف کے مقاصد سے مجھے کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے۔کوئی مسلمان ہے جو اُن لوگوں کو بُرا سمجھے جن کا نصب العین محبتِ رسول اللہ ہے اور جو اس ذریعہ سے ذاتِ باری سے تعلق پیدا

کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں؟ اگر میں تمام صوفیا کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات ومقولات سے اِستدلال نہ کرتا۔

دوسری بات جو اس مضمون میں مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں وہ خواجہ حافظ شیرازی کے متعلق ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ خواجۂ شیراز محض ایک شاعر ہیں اور ان کے کلام سے جو صوفیانہ حقائق اخذ کئے گئے ہیں، وہ بعد کے لوگوں کا کام ہے۔ مگر چونکہ عام طور پر ان کو صوفی اور مجذوبِ کامل سمجھا گیا ہے اس واسطے میں نے ان کی تنقید ہر دو اعتبار سے کی ہے، یعنی بحیثیت صوفی اور بحیثیت شاعر۔ بحیثیت صوفی ہونے کے ان کا نصب العین یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں اور دوسروں میں (بذریعہ اپنے اشعار کے) وہ حالت یا کشف پَیدا کریں جس کو تصوّف کی اصطلاح میں حالتِ سُکر کہتے ہیں۔ ان کے صوفی شارحین نے صہبا وشراب وغیرہ سے یہی مراد لی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا سُکر کی حالت اسلامی تعلیم کا منشاء ہے؟

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی زندگی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ایک مسلمان قلب کی مُستقل کیفیت بیداری ہے نہ کہ خواب یا سُکر۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں تو کوئی مجذوب نظر نہیں آتا، بلکہ ابتدائی اسلامی لٹریچر میں مجذوب کی اِصطلاح بھی مثل دیگر اصطلاحاتِ صوفیہ کے نہیں ملتی۔ اصطلاحاتِ صوفیہ کے متعلق آگاہی حاصل کرنی ہو تو علاّمہ ثعالبی نے لغت میں جو کتاب لکھی ہے اسے دیکھنا چاہئے نئی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔

دوسرا سوال جو حالت سُکر کے متعلق پَیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ آیا یہ حالت زندگی کے اغراض سے منافی ہے یا ممد۔ کسی روز فرصت میں ثابت کروں گا کہ علمِ الٰہیات کے اعتبار سے یہ حالت زندگی کے لیے نہایت ہی مضر ہے اور جو لوگ اس حالت کو مستقل بنا لیتے ہیں وہ کشمکشِ حیات کے بالکل قابل نہیں رہتے، اور ملی وقومی اعتبار سے بھی اس کے مضر ہونے کی مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں مگر اس وقت ان سب باتوں کا ذکر کروں تو ایک دفتر ہو جائے گا جس کے لیے آپ کے اخبار کے سارے کالم بھی ناکافی ہوں گے۔ بہر حال سُکر کی حالت میں جن لوگوں نے بعض باتیں خلافِ منشاءِ تعلیمِ اِسلام کی ہیں، مسلمانوں نے ان کے متعلق حُسنِ ظن سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے منصور کے صریحاً لحاد کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے سامنے منصور کا صرف مقولہ ہی تھا اور وہ ذہنی یا مذہبی تحریک نہ تھی جس کا منصور مظہر یا بانی تھا۔ ابنِ حزم نے جو منصور سے شاید ایک صدی بعد ہوا ہے منصوری تحریک اور اس حلولی فرقے [آواگون] کا مفصل حال لکھا ہے اور

حال میں فرانس میں بھی ایک رسالہ منصوری تحریک پر شائع ہوا ہے۔ وقت ملا تو اس کے مضامین سے آپ کے اخبار کے ناظرین کو آگاہ کروں گا۔

شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے یعنی جو مقصد دیگر شعراء پوری غزل میں بھی حاصل نہیں کر سکتے خواجہ حافظؔ اسے ایک لفظ میں حاصل کرتے ہیں، اس واسطے کہ وہ انسانی قلب کے راز کو پورے طور پر سمجھتے ہیں۔ لیکن فردی اور ملّی اعتبار سے کسی شاعر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے کوئی معیار ہونا چاہئے۔ میرے نزدیک وہ معیار یہ ہے کہ اگر کسی شاعر کے اشعار اغراض زندگی میں مد ہیں تو وہ شاعر اچھا ہے اور اگر اس کے اشعار زندگی کے منافی ہیں یا زندگی کی قوت کو کمزور اور پست کرنے کا میلان رکھتے ہیں تو وہ شاعر خصوصاً قومی اعتبار سے مضرت رساں ہے۔ ہر شاعر کم و بیش گرد و پیش کی اشیاء، عقائد، خیالات و مقاصد کو حسین و جمیل بنا کر دکھانے کی قابلیت رکھتا ہے اور شاعری نام ہی اس کا ہے کہ اشیاء و مقاصد کو اصلیت سے حسین تر بنا کر دکھایا جائے تا کہ اَوروں کی ان اشیاء و مقاصد کی طرف توجہ ہو اور قلوب ان کی طرف کھنچ آئیں۔ ان معنوں میں ہر شاعر جادوگر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کا جادو کم چلتا ہے کسی کا زیادہ۔ خواجہ حافظ اس اعتبار سے سب سے بڑے ساحرِ ہیں۔ مگر دیکھنے کی بات ہے کہ وہ کون سے مقصد یا حالت یا خیال کو محبوب بناتے ہیں۔ اس کا جواب اُوپر آ چکا ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کیفیت کو محبوب بناتے ہیں جو اغراضِ زندگی کے منافی ہے بلکہ زندگی کے لیے مضر ہے۔ جو حالت خواجہ حافظ اپنے پڑھنے والے کے دل میں پَیدا کرنا چاہتے ہیں (یعنی بحیثیت صوفی ہونے کے) وہ حالت افراد و اقوام کے لیے جو اِس زمان و مکان کی دنیا میں رہتے ہیں نہایت ہی خطرناک ہے۔ حافظ کی دعوت موت کی طرف ہے جس کو وہ اپنے کمال فن سے شیریں کر دیتے ہیں تا کہ مرنے والے کو اپنے دکھ کا احساس نہ ہو۔

ناوک انداز ے کہ تاب ازل دل برد
ناوک اومرگ را شیریں کند

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں میں نے حافظ کو رنڈی باز، شراب خور لکھا ہے وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ مجھ کو اُن کی پرائیویٹ زندگی سے کوئی سروکار نہیں، مجھ کو صرف اس نصب العین کی تنقید کرنا مقصود ہے جو بحیثیت ایک صُوفی شاعر ہونے کے ان کے پیشِ نظر ہے اور میری تنقید میں بیشتر الفاظ و اصطلاحات خود اُنہی کے دیوان سے لیے گئے ہیں مگر میری تنقید پر رائے زنی کرنے والوں کو یاد رکھنا

چاہئے کہ حافظ شیرازی مسلمان تھا اور ان کے رگ وریشہ میں اسلام تھا۔ وحدت الوجودی تصوّف نے خواہ ان کے نقطۂ نظر کو کتنا ہی تبدیل کیوں نہ کر دیا ہو یہ ممکن نہیں کہ کبھی صحو سُکر پر غالب نہ آتا ہو اور وہ ایسے اشعار نہ لکھتے ہوں۔ حکیم فیروز الدین صاحب طغرائی نے اپنے رسالہ 'لسان الغیب' میں ایسے بہت سے اشعار لکھے ہیں، گو انہوں نے اپنے خیال میں میری مخالفت کی ہے مگر حقیقت میں انہوں نے میرے مقصد کی تصدیق کی ہے۔ وہ غور کریں گے تو ان کو یہ بات معلوم ہو جائے گی اور یہ بات ظاہر ہے کہ بحیثیت مجموعی خواجہ حافظ کا اخلاقی نصب العین حالت سُکر ہے نہ حالت صحو اور کسی شاعر کی تنقید کے لیے اس کے عام نصب العین ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

یہ خط بہت طویل ہو گیا ہے اَب میں اسے ایک لطیفہ پر ختم کرتا ہوں۔ ہے تو لطیفہ مگر غور کرنے والوں کے لیے ایک نہایت گہری بات ہے۔ میرے دوست منشی محمد دین فوق ایڈیٹر رسالہ 'طریقت' نے مجھ سے سوال کیا کہ تم نے حافظ پر کیوں اعتراض کیا ہے۔ وہ رسالہ طریقت کے ایڈیٹر ہیں؛ اس حیثیت سے ان کو تصوّف میں دلچسپی ہے۔ اُس وقت فرصت کم تھی اور مضمون طویل تھا، میں نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔ عام مسائلِ تصوف پر گفتگو کرتا رہا۔ بعد میں انہوں نے اپنی تازہ تصنیف ''وجدانی نشتر'' میرے دیکھنے کے لیے ارسال فرمائی تو معلوم ہوا کہ ان کے سوال کا جواب ان کی تصنیف میں موجود ہے۔ صفحہ ۹۴ پر مصنف لکھتے ہیں:

اورنگ زیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) نے جو بڑا متشرع بادشاہ تھا ایک مرتبہ حکم دیا کہ اتنی میعاد کے اندر جتنی طوائفیں ہیں نکاح کر لیں ورنہ میں کشتی میں بھر کر سب کو دریا بُرد کر دوں گا۔ سینکڑوں نکاح ہو گئے مگر پھر بھی ایک بڑی تعداد رہ گئی۔ چنانچہ ان کے ڈبونے کے لیے کشتیاں تیار ہوئیں۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ یہ زمانہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا تھا۔ ایک حسین نوجوان طوائف روزمرہ آپ کے سلام کو آیا کرتی۔ جب آپ درود و وظائف سے فارغ ہوتے، وہ طوائف سامنے آ کر دست بستہ کھڑی ہو جاتی۔ جب آپ نظر اٹھاتے وہ سلام کر کے چلی جاتی۔ آج جو وہ آئی تو بعد سلام عرض رساں ہوئی کہ آج خادمہ کا آخری سلام بھی قبول ہو۔ آپ نے حقیقت حال دریافت فرمائی۔ جب تمام کیفیت بیان کر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حافظ شیراز کا یہ شعر ؎

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند
گر تو نمے پسندی تغیر کن قضارا

تم سب یاد کر لو اور جب تمہیں دریا کی طرف لے چلیں تو بآواز بلند اس شعر کو پڑھتے جاؤ۔ ان

سب طوائفوں نے اس کو یاد کرلیا۔ جب روانہ ہوئیں تو یاس کی حالت میں نہایت خوش الحانی سے بڑے دردانگیز لہجے میں اس کو پڑھنا شروع کیا۔ جس جس نے یہ شعر سُنا دل تھام کر رہ گیا۔ جب بادشاہ کے کان میں آواز پہنچی تو بے قرار ہو گیا۔ ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو۔ منشی محمد دین فوق کو معلوم ہو کہ جو اُن کے نزدیک حافظؔ کا حُسن ہے وہ میرے نقطۂ نظر سے اس کا قُبح ہے اور وہ یہ کہ مسئلہ تقدیر کی ایک ایسی غلط مگر دلآویز تعبیر سے حافظؔ کی شاعرانہ جادوگری نے ایک متشرع اور نیک نیت بادشاہ کو جو آئین حقۂ شرعیۂ اسلامیہ کی حکومت قائم کرنے اور زانیات کا خاتمہ کر کے اسلامی سوسائٹی کے دامن کو اس بدنما داغ سے پاک کرنے میں کوشاں تھا، قلبی اعتبار سے اس قدر ناتواں کر دیا کہ اسے قوانین اسلامیہ کی تعمیل کرانے کی ہمت ہی نہ رہی اور اگر عالمگیر دارا کے معاملے میں بھی ''با دشمنان مدارا'' پر عمل کرتا تو ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کی حکومت کبھی قائم نہ ہوتی۔

مجھے امید ہے کہ اس تحریر سے آپ کے ناظرین کو میرا نقطۂ نظر سمجھنے میں مدد ملے گی اور وہ اس اعتبار سے اسلامی ادبیات کا مطالعہ کر کے اپنے نتائج خود پیدا کریں گے۔

(''وکیل'' امرتسر ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء)

☆.....☆.....☆

بقیہ: حسد اور مولانا رومی

کے بعد جب وظیفہ کی آخری رات آئی تو دعا کے وقت اس کے اندر طوفان برپا ہونا شروع ہوا کہ محنت میں کروں اور مفت میں پڑوسی کو دگنی دولت مل جائے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس ذہنی کشمکش کی حالت میں صبح صادق ہوگئی، چنانچہ اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا مانگے، اس نے وقت جاتے دیکھ کر دعا کی کہ یا اللہ، میری آنکھ نکال دے، پڑوسی کی دونوں آنکھیں۔ حسد کے سلسلہ میں عام انسانوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے ان قصوں کو مبالغہ پر مبنی قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حسد جیسی بیماری کے دفعیہ کے لیے کمال کے حصول کی راہ پر گامزن ہو، تاکہ اللہ کا درد عشق تمہارے لیے حسد کی جلن کی نفسیات سے نجات کا ذریعہ ہو۔

سلمان نسیم ندوی

فحش گوئی

فحش گوئی کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو قوتِ شہوانیہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے مرتکب زیادہ تر رند، بیباک نوجوان اور بے تکلف دوست واحباب ہوتے ہیں، مثلاً جب اس قسم کی بے تکلفانہ اور رندانہ صحبتیں قائم ہوتی ہیں تو عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں اس قسم کے حالات و واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو بعض اوقات شرمناک حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ عربی زبان میں اس قسم کی فحش گوئی کو رفث کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت میں:

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرہ: ۱۹۷)

''حج کے دنوں میں نہ شہوت کی کوئی بات کرنی چاہیے نہ گناہ کی اور نہ لڑائی کی۔''

اس کی ممانعت کی گئی ہے، لیکن زمانۂ حج کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں مردوں اور عورتوں کا عام اجتماع ہوتا ہے اور اس سفر میں پردے کی پوری پابندی مشکل ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کے چرچے نہایت آزادی کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں حالانکہ یہ زمانہ صرف ذکر الٰہی کا ہوتا ہے ورنہ حج کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ اسلام میں عام طور پر اس قسم کی فحش گوئی ممنوع ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کے ایک مجمع میں خطبہ دیا، اور حمد وثنا کے بعد مردوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اس طرح خدا کے پردہ میں چھپ جاتا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں'' پھر فرمایا کہ ''اس کے بعد کی صحبتوں میں بیٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا، میں نے یہ کیا۔'' اس پر سب لوگ خاموش ہو رہے۔ پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''کیا تم سب اس قسم کے واقعات بیان کرتی ہو؟'' اس پر ایک عورت نے دوزانو بیٹھ کر کہا: ''ہاں مرد اور عورت دونوں اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہیں۔'' فرمایا: تم لوگ جانتے ہو کہ اس کی کیا مثال ہے؟ اس کی مثال اس چڑیل کی ہے جو گلی میں ایک شیطان سے ملی اور اس نے اس سے مباشرت کی، حالانکہ لوگ اس کو دیکھ رہے تھے۔ (ابوداؤد)

مقصود یہ ہے کہ علانیہ کرنا اور کھول کر بیان کرنا دونوں کی بے شرمی کی صورت یکساں ہے۔ اس

فحش گوئی کی ممانعت کا فلسفہ یہ ہے کہ حدود الٰہی کی حرمت کا تخیل ہر حال میں برقرار رہے، ورنہ جب باتیں زبانوں پر آئیں گی تو وہ اہمیت کھو دیں گی اور قول عمل کے لیے ایک دن راستہ صاف کر دے گا۔ یہی سبب ہے کہ اس قسم کی باتوں کے بیان کے لیے جب ناگزیر ضرورتیں پیش آتی ہیں تو مجز و استعارہ کی زبان میں ان کو ادا کیا جاتا ہے، تاکہ مدعا ظاہر ہو، اور شرم کا پردہ بھی ڈھکا رہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس قسم کے واقعات مجاز واستعارہ ہی کے پردہ میں بیان کیے گئے ہیں مثلاً

﴿وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ بَعْضٍ وَلَمَسْتُمِ ٱلنِّسَآءَ﴾ (النساء:43)

''حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے (یعنی میاں بی بی ہم صحبت ہو چکے) یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو (یعنی ان سے صحبت کی ہو)''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ خدا شرمیلا اور شریف ہے، اسی لیے اس نے جماع کو کنایۃً لمس (چھونے) کے لفظ سے بیان کیا ہے، اسلام نے اس کے لیے اور جو الفاظ پیدا کیے ہیں، جو فقہی مسائل کی تشریح میں مجبوراً آتے ہیں، گو وہ اب عام استعمال کی وجہ سے تصریح کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں، لیکن درحقیقت وہ سب کے سب کنائے اور استعارے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق پائخانہ، پیشاب اور دوسرے نفرت انگیز اور شرمناک امراض کا ذکر بھی کنایۃ کرنا چاہیے۔ پائخانہ اور پیشاب کے لیے احادیث میں ''قضائے حاجت'' کا لفظ مستعمل ہے جو ایک کنایہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے غائط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو لغت میں نشیب زمین کو کہتے ہیں۔

﴿او جاء احد منكم من الغائط﴾ (نساء: 43)

''یا تم میں سے کوئی پست زمین سے (ہوکر) آیا ہو''

چونکہ عام طور پر لوگ اس مقصد کے لیے پست زمین کو پسند کرتے ہیں، اس لیے استعارۃً اس سے پائخانہ مراد لیا گیا۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پائخانہ بھی ایک استعارہ ہے جس کی اصل پائیں خانہ ہے، چونکہ پائخانے عموماً مکانوں کے کنارے بنائے جاتے ہیں، اس لیے استعارۃً ان کو پائیں خانہ کہا گیا، پھر تخفیف کے اصول کے مطابق پائخانہ ہو گیا، اور اب کثرتِ استعمال سے اس میں استعارہ کی شان باقی نہ رہی۔ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے ''برص'' کی تعبیر ''سوء'' کے لفظ سے کی ہے جس کے معنی برائی یا عیب کے ہیں۔

﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: 22)

''اور اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر اپنی بغل میں رکھ لو (اور پھر نکالو) تو وہ بدوں اس کے کہ کسی طرح کا روگ ہو، سفید (براق) نکلے گا (اور یہ) دوسرا معجزہ (ہے)۔''

فحش گوئی کی دوسری قسم کا تعلق قوت غضبیہ سے ہے جس کا نام سب وشتم یا گالی گلوچ ہے اور یہ صورت عموماً جنگ وجدل کے موقع پر پیش آتی ہے۔ زمانۂ حج میں چونکہ عام اجتماع ہوتا ہے اور اس حالت میں لڑائی جھگڑے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس لیے خداوند تعالیٰ نے ایک لفظ ''فسق'' سے اس کی ممانعت کی۔

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرہ: 197)

''حج کے دنوں میں نہ شہوت کی کوئی بات کرنی چاہیے، نہ فسق کی، نہ جھگڑے کی۔''

گالی گلوچ کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض اوقات انسان ایک شخص کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہتا ہے، اس کے نسب میں عیب نکالتا ہے، کبھی خود اس شخص کے عیوب ظاہر کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ کسی نفرت انگیز مرض مثلاً برص یا جذام میں مبتلا ہو تو اس پر بھی طنز کرتا ہے، بعض حالتوں میں اگر اس نے کوئی برا کام کیا ہے یا اس کے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ کیا گیا ہے، تو اس کا اظہار کرتا ہے۔

قرآن مجید نے اجمالی طور پر ان تمام صورتوں کی ممانعت صرف ایک لفظ سے کی ہے۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (النساء: 148)

''اللہ کو بری بات کا پکار کر کہنا پسند نہیں مگر جس پر ظلم ہوا ہو، (وہ ظلم کر برملا بیان کر سکتا ہے)۔''

اور قرآن وحدیث میں جا بجا بدزبانی سے بچنے کے حکم ومصالح نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک مصلحت یہ ہے کہ گالی گلوچ میں لوگ عموماً تعدی کرتے ہیں، یعنی اگر ایک شخص ایک گالی دیتا ہے تو دوسرا دو دیتا ہے، اگر ایک شخص کسی کے باپ کو برا کہتا ہے تو دوسرا اس کے ماں باپ دونوں کو اس میں شامل کر لیتا ہے۔ اس لیے دوسرے کی تعدی سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کو گالی نہ دی جائے، خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں یہی نکتہ بیان کیا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

(الانعام:108)

''اور (مسلمانو!) خدا کے سوا دوسرے جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ یہ لوگ (بھی) نادانی سے بڑھ کر خدا کو برا کہہ بیٹھیں گے۔''

اسی نکتہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے

کہ آدمی اپنے باپ ماں پر لعنت بھیجے، کہا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کوئی اپنے ماں باپ پر کیونکر لعنت بھیج سکتا ہے؟ فرمایا: ''اس طرح کہ جب کوئی کسی کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو وہ بھی اس کے ماں باپ دونوں کو برا بھلا کہے گا۔'' (بخاری)

(۲) بدزبان آدمی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے، اور لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے ملنے آیا، آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ''اپنے قبیلہ میں یہ نہایت برا آدمی ہے۔'' لیکن جب وہ آپ کے پاس بیٹھا تو آپ اس سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب آپ نے اس کو دیکھا تو برا کہا، پھر اس سے نہایت لطف ومحبت کے ساتھ ملے، فرمایا: ''عائشہؓ! تم نے مجھ کو بدزبان کب پایا؟ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا شخص وہ ہوگا جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔'' (بخاری)

(۳) بدزبانی دورِ وحشت و جہالت کی یادگار ہے اور تہذیب وشائستگی کے خلاف ہے۔ ایک بار حضرت ابوذرؓ نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی، رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ (بخاری)

امام بخاری نے ادب المفرد میں اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غلاموں یا نوکروں کو برا بھلا کہنا جائز نہیں۔

(۴) رفق وملاطفت وشرم وحیا شریفانہ اخلاق ہیں اور اسلام نے خاص طور پر ان کی تعلیم دی ہے لیکن بدزبانی ان کے بالکل مخالف ہے۔ ایک بار کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بجائے "السَّامُ عَلَيْكُمْ" (تم کو موت آئے) کہا حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا: "عَلَيْكُمْ وَلَعْنَكُمُ اللّٰهِ وَغَضَبِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ" یعنی تم کو موت آئے، خدا تم پر لعنت بھیجے اور تم پر خدا کا غضب نازل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: ''اے عائشہ! نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو۔'' (بخاری)

(۵) گالی گلوچ کی ممانعت کا ایک نہایت دقیق نکتہ یہ ہے کہ اس میں عموماً بے شرمی اور بے حیائی کی باتوں کو الفاظ کی صورت میں سے منہ سے نکالا جاتا ہے اور سنایا جاتا ہے، اس سے سوسائٹی میں ان مکروہ باتوں کے سننے اور سنانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے اور بے حیائی کے الفاظ بڑھ کر اعمال کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بدزبانی کو حیا کے بالمقابل ذکر فرمایا، ارشاد ہے کہ ''بدزبانی جس چیز میں شامل ہوتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے، اور حیاء

جس چیز میں ہوتی ہے، اس کو زینت دے دیتی ہے‘‘ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ بدزبانی اور فحش گوئی حیا کے خلاف ہے۔

(۶) گالی گلوچ سے لوگوں کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے، حالانکہ مسلمانوں کو ایذا رسانی سے احتراز کرنا چاہیے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہیں (مسلم)۔ مردوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت اسی لیے کی گئی ہے کہ اس سے زندوں یعنی مردوں کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے۔ (ترمذی)

(۷) گالی گلوچ لڑائی کا پیش خیمہ ہے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنا بھڑنا کفر ہے، اس لیے جو چیز اس کا ذریعہ بنتی ہے وہ اگر کفر نہیں تو کم از کم فسق ضرور ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سباب المسلم فسوق و قتاله كفر))

’’مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور اس کے ساتھ لڑنا کفر‘‘

ان تمام مراتب کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بدزبانی اور فحاشی اسلامی تعلیمات اور اسلامی خصوصیات کے منافی ہے، اس لیے جو شخص صحیح اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے وہ اس بد اخلاقی میں مبتلا رہنا پسند نہیں کرے گا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس المومن بالطعان و لا اللعان و لا الفاحش و لا البذى))

(ترمذی)

’’جو مسلمان ہے وہ طنز و تشنیع نہیں کرتا، لعنت نہیں بھیجتا، بدزبانی اور فحش کلامی نہیں کرتا۔‘‘

ایک اور حدیث میں بدزبانی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

یہ تمام وجوہ تو انسانوں کی باہمی گالی گلوچ اور لعن طعن سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس قسم کی بدزبانیاں صرف انسانوں تک محدود نہیں ہیں، بلکہ بے جان اور عقل سے خالی چیزوں سے بھی جب نقصان پہنچتا ہے تو لوگ ان کو بھی برا بھلا کہہ بیٹھتے ہیں مثلاً جب کوئی شخص حوادث زمانہ کا شکار ہوتا ہے تو وہ زمانہ کو برا بھلا کہنے لگتا ہے، یہ نہیں سوچتا کہ اس میں زمانے کا کیا قصور ہے، یہ جو کچھ ہوا ہے مشیت الٰہی سے ہوا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے ان چیزوں کو برا بھلا کہنے کی بھی ممانعت کی ہے، اور اس مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے خود اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ انسان زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں خود زمانہ ہوں اور رات دن میرے ہاتھ میں ہیں (بخاری)۔ یعنی

زمانہ کو برا بھلا کہنا خود خدا کو برا بھلا کہنا ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک شخص کی چادر ادھر ادھر اڑنے لگی، اس نے ہوا پر لعنت بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس پر لعنت نہ بھیجو، وہ تو صرف خدا کی فرمانبردار ہے۔'' (ابوداؤد)

ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت بھیجی، رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو الگ کر دیا (ابو داؤد) اور یہ اس عورت کی سزا تھی کہ تا کہ وہ دوبارہ اس قسم کا کلمہ نہ کہہ سکے۔

اسلام میں گالی گلوچ کے صرف یہی معنی نہیں کہ کسی کو مغلظات سنائے جائیں، بلکہ ہر وہ بات جس سے کسی کی توہین یا دل آزاری ہو گالی ہے۔ کسی کو فاسق یا کافر کہنا اگرچہ عرف عام میں گالی نہیں ہے، لیکن اسلام میں وہ ایک سخت گالی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مقدس دن، ایک مقدس مہینہ اور ایک مقدس شہر میں (یعنی حجۃ الوداع میں) ایک خطبہ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی ہے کہ خدا نے تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر محترم ہے۔

☆.....☆.....☆

بقیہ: رذائل اخلاق

کرتے تھے۔ پانچویں مرتبہ آپؐ اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تو نے اس سے صحبت کی ہے، اُس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: یہاں تک کہ تیرا عضو اُس کے عضو مخصوص میں داخل ہوا۔ اُس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں میں غائب ہو جاتی ہے۔ اُس نے کہا: ہاں۔ (آپؐ نے مکمل تفتیش کے بعد) اُس کے متعلق حکم دیا (چونکہ وہ شادی شدہ تھا) پس اُس کو رجم کیا گیا۔ (ابوداؤد)

3- حضرت عکرمہؓ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو تم پاؤ کہ قوم لوط جیسا عمل کرتا ہے پس فاعل اور مفعول کو قتل کر دو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

4- حضرت عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کسی قوم میں زنا ظاہر نہیں ہوتا مگر اس میں قحط پھیل جاتا ہے۔ اور کسی قوم میں رشوت ظاہر نہیں ہوتی مگر وہ رعب کے ساتھ پکڑی جاتی ہے۔ (احمد)

ملک احمد سرور

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ

عدل وانصاف ہی میں امن و بھلائی ہے

کائنات کا پورا نظام ''میزان'' پر قائم ہے۔ اگر اس میزان میں معمولی سا بھی تغیر آ جائے بالفاظ دیگر میزانِ کائنات کی ڈنڈی کے سرے برائے نام بھی اوپر نیچے ہو جائیں تو پوری کائنات زلزلۂ قیامت کا شکار ہو جائے۔ کائناتی علوم کے ماہر کسی بھی سائنس دان سے پوچھ لیں کہ اگر زمین یا کسی بھی دوسرے سیارے کی کششِ ثقل میں فرق آ جائے تو نظامِ شمسی ہی درہم برہم نہ ہو گا بلکہ دیگر نظاموں پر بھی اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ کششِ ثقل کے علاوہ حرکت کا تغیر بھی، یہاں تک کہ نظامِ شمسی کے درجۂ حرارت کی جو حد مقرر ہے، اس میں بھی کسی قسم کی تبدیلی کے اثرات ناقابلِ تصور ہوں گے۔ انسان کی بقا، اس کے ارتقا اور کرۂ ارض پر امن کے قیام کے لیے خالقِ کائنات نے طبیعیاتی عوامل کی میزان کے ساتھ ساتھ ایک سماجی میزان بھی قائم کر دی۔ کسی بھی میزان کی خرابی انسان کے لیے تباہ کن ہے۔ خالقِ کائنات کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ o اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ o وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ o﴾ (الرحمن: ۸، ۹)

''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔''

یہاں آسمان سے مراد محض ''نیلگوں فضا'' نہیں بلکہ کائنات ہے۔ سورہ الذّریات کی آیت نمبر 47 میں بھی ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یعنی آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس میں توسیع کر رہے ہیں۔ سید قطب شہید سورۃ الرحمٰن کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''آسمان سے مراد جو بھی ہو، یہاں حکم دیا جاتا ہے کہ ذرا اوپر کو دیکھو..... بہت بلند، بہت دور، بلا حدود و قیود اس فضا کے اندر ہزارہا ملین عظیم الجثہ اجرامِ فلکی تیر رہے ہیں..... اللہ نے اس

آسمان کو جس طرح بلند کیا ہے اور ہولناک حد تک وسیع کیا ہے اور اس کے لیے ایک فطری میزان قائم کیا ہے، اسی طرح تمہارے (یعنی بنی نوع انسان) کے لیے بھی ایک میزان حق تجویز کیا ہے..... تاکہ لوگ جہالت، عناد اور خواہشات کے مطابق اچھے برے کا فیصلہ نہ کرتے پھریں۔''

مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قریب قریب تمام مفسرین نے یہاں میزان سے مراد عدل لیا ہے، اور میزان قائم کرنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔ یہ بے حد وحساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں، یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم میں کام کر رہی ہیں، اور یہ لامحدود مخلوقات اور اشیاء جو اس جہان میں پائی جاتی ہیں، ان سب کے درمیان اگر کمال درجہ کا عدل وتوازن نہ قائم کیا گیا ہوتا تو یہ کارگاہِ ہستی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چل سکتی تھی۔'' مزید لکھتے ہیں: ''چونکہ تم (یعنی بنی نوع انسان) ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو جس کا سارا نظام عدل پر قائم کیا گیا ہے، اس لیے تمہیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہیے۔ جس دائرے میں تمہیں اختیار دیا گیا ہے اس میں اگر تم بے انصافی کرو گے اور جن حق داروں کے حقوق تمہارے ہاتھ میں دیے گئے ہیں، اگر تم ان کے حق مارو گے تو یہ فطرتِ کائنات سے تمہاری بغاوت ہو گی۔ اس کائنات کی فطرت ظلم و بے انصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی۔ یہاں ایک بڑا ظلم تو درکنار، ترازو میں ڈنڈی مار کر اگر کوئی شخص خریدار کے حصے کی ایک تولہ بھر چیز بھی مار لیتا ہے تو میزانِ عالم میں خلل برپا کر دیتا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جب خالقِ کائنات نے اس (یعنی کائنات) کے اندر میزان رکھی جس پر یہ قائم ہے، یہ نہ ہو تو آسمان درہم برہم ہو جائے تو اس سے خالق کا مزاج اور اس کا ذوق معلوم ہوا کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اپنے دائرۂ اختیار کے اندر اسی طرح توازن، عدل اور قسط کو ملحوظ رکھے، اس میزان میں کوئی خرابی نہ پیدا کرے ورنہ سارے نظام معاش ومعیشت میں فساد پھیل جائے گا۔ مطلب یہ نکلا کہ اسی عدل وقسط کی دعوت تمہیں قرآن دے رہا ہے جس کی شہادت تمہارے سروں پر پھیلے ہوئے آسمان کے ہر گوشے سے مل رہی ہے اور اسی کی خلاف ورزی کے نتائج سے تمہیں وہ ڈرا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنے طغیان سے اندھے ہو کر یہ میزان درہم برہم کر ڈالی تو اس کی سزا اس دنیا میں بھی بھگتو گے اور آخرت میں بھی اس کا وبال تم پر آئے گا۔''

مزید لکھتے ہیں: ''جس خدا کے بنائے ہوئے آسمان کی چھت کے نیچے رہتے ہو جب وہ میزان رکھنے والا اور عدل پسند ہے تو اس کی دنیا میں ڈنڈی ماری کی زندگی نہ بسر کرو بلکہ ناپ تول میں پورے انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور ہرگز تول میں کمی نہ کرو۔ ناپ تول میں کمی کوئی منفرد برائی نہیں ہے بلکہ یہ پورے نظام تمدن میں فساد کی ایک خوفناک علامت ہے۔ یہاں ایک مزید حقیقت واضح ہوئی کہ یہ برائی درحقیقت اس میزان کے منافی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین قائم فرمائے ہیں۔ اگر کوئی قوم اس فساد کو قبول کر لیتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس بنیاد ہی کے ڈھا دینے کے درپے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی تعمیر فرمائی ہے۔'' (تدبر قرآن جلد 8)

میزانِ کائنات اور اس کی غرض و غایت کو جان لینے کے بعد اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ آپ کے محلے، شہر اور ملک کے لوگوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں، فساد اور قتل و غارت گری کی جڑ کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تدبر و تفکر کی معمولی صلاحیت سے بھی نوازا ہے تو آپ کو یہ جاننے میں دِقت پیش نہیں آئے گی کہ جھگڑا اور فساد اس وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی کسی کا حق غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا اپنے حق کی حفاظت کے لیے مزاحمت کرتا ہے۔ اس وقت پورے کرۂ ارض پر ایک طرف غاصب ہیں اور دوسری طرف مزاحمت کار۔ بعض ملک دوسرے ممالک پر قبضہ کر کے وہاں کے شہریوں کے بنیادی حقوق غصب کر رہے ہیں، ملکوں کے اندر طاقتور کمزوروں کے حقوق پر ڈاکے ڈال رہے ہیں، اس طرح اس وقت پورا کرۂ ارض فساد کی لپیٹ میں ہے۔ اپنے ملک پر ایک نظر ڈال لیں، میزانِ عدل کی ڈنڈی جباروں نے اپنی طرف جھکا رکھی ہے۔ زمیندار مزارع کا حق غصب کر رہا ہے، مزارع کی عزت و ناموس تک زمیندار سے محفوظ نہیں۔ بھٹے کا مالک خشت سازوں کے ساتھ یہی سلوک کر رہا ہے۔ پیر مریدوں، صنعت کار صارفین، حکمران اور سیاستدان عوام اور اپنے کارکنوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں، اسی لیے اس ملک کو گزشتہ 73 سالوں میں ایک دن بھی امن نصیب نہیں ہوا، یہ فساد اور بحرانوں کی لپیٹ میں ہی رہا ہے، پھر بھی ہم نہیں سمجھتے کہ ''عدل و انصاف ہی میں امن و بھلائی ہے۔''

☆.....☆.....☆

طالب الہاشمیؒ

اسلام میں عدل کی اہمیت

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جولوگ جو اپنے حکم میں اور اپنے گھر والوں میں اور ان لوگوں کے ساتھ جن کے وہ حاکم ہیں، عدل کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔

اس حدیث پاک میں دانائے کونین ﷺ نے نہایت بلیغ پیرائے میں عدل کی اہمیت واضح فرمائی ہے اور امت کو بتایا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے تمام معاملات میں فیصلہ کرتے وقت یا کسی کو کوئی حکم دیتے وقت عدل سے کام لیتے ہیں اور اپنے اہل خانہ کے حقوق بھی انصاف سے پورے کرتے ہیں اور اگر وہ حاکم ہیں تو اپنی رعیت اور ماتحتوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو اتنا بلند مرتبہ عطا کرے گا کہ وہ حق تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ فی الحقیقت عدل وانصاف کسی بھی حکومت اور معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہونے کے اعتبار سے عدل وانصاف پر غیر معمولی زور دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں جا بجا عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہلِ ایمان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سورۃ الحدید کی پچیسویں آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلیں دے کر بھیجا اور اس کے ساتھ ہم نے اتاری کتاب اور میزان یعنی قواعدِ عدل تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں.....اس ارشاد ربانی سے یہ بات واضح ہے کہ رسولوں اور نبیوں کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ انسانی زندگی کا انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کا نظام عدل پر قائم ہو۔ انفرادی نظامِ عدل یہ ہے کہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے انصاف اور نیک نیتی کے ساتھ پورے کرے۔ ''عباد'' میں نہ صرف اس کے اہل خانہ بلکہ دوسرے رشتہ دار، پڑوسی، اہل محلّہ یا اہل بستی، غرباء اور حاجت مند بھی شامل ہیں اور اجتماعی نظامِ عدل یہ ہے کہ معاشرے کی تشکیل ایسے اصولوں پر کی جائے جو ظلم وتعدی، جارحیت اور زیادتی کا راستہ روکیں۔ اجتماعی زندگی کے تمام پہلو افراط وتفریط سے خالی اور باہم متوازن ہوں اور معاشرے کے تمام طبقے انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے

فرائض اخلاص نیت کے ساتھ ادا کریں۔ معاشرے میں عدل وانصاف اور توازن وہم آہنگی ہی کا دوسرا نام اجتماعی یا سماجی عدل ہے جسے انگریزی میں سوشل جسٹس کہا جاتا ہے۔ عدل کی ایک قسم لیگل جسٹس یا عدلِ قانونی بھی ہے لیکن حقیقت میں یہ کوئی مقصود بالذات یا علیحدہ قسم نہیں ہے بلکہ عدل کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ طریقہ بھی نہایت سہل، فعال، تیز، مؤثر اور مساویانہ ہونا چاہیے۔ قرآنِ حکیم میں عدل کو تقویٰ کی نزدیک ترین راہ بتایا گیا ہے۔ تقویٰ سے مراد پرہیز گاری یا نفس کی وہ کیفیت ہے جو خوف خدا، احساس ذمہ داری اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے عبارت ہے۔ سرور عالم ﷺ رحمتہ للعالمین اور خاتم الرسل والانبیاء تھے۔ آپ ﷺ نے عدل وانصاف کو جس معراج پر پہنچایا اور اس کے جو پیمانے قائم فرمائے ان کے نتیجے میں جو نظام برپا ہوا اس سے پوری کائنات پر رحمت کی گھٹائیں امڈ آئیں۔ تاریخ عالم اس برکتوں اور رحمتوں والے نظام کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آنحضور ﷺ کا عدل اپنے بیگانے، دوست دشمن، مسلم غیر مسلم، امیر غریب سب کے لیے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! عصبیت کیا ہے؟ فرمایا: ظلم میں اپنی قوم کا مددگار رہونا۔ سیرت طیبہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپؐ کے پاس کوئی مقدمہ لایا گیا جس میں ایک فریق مسلم تھا اور دوسرا غیر مسلم۔ آپؐ نے شہادتیں سننے کے بعد غیر مسلم کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے معزز قبیلے بنومخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنت اسود سے چوری کی لغزش سرزد ہوگئی اور وہ پکڑی گئیں۔

چوری کی سزا قطع ید تھی۔ بنومخزوم کے لوگ گھبرائے ہوئے محبوب رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ حضور ﷺ سے اس خاتون کے لیے رعایت کی سفارش کریں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اس خاتون کے لیے رعایت کی سفارش کی تو آپؐ کے روئے انور پر غصہ کے آثار پیدا ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں گفتگو کرتے ہو؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لرز اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے اللہ سے مغفرت طلب فرمائیے۔ شام ہوئی تو حضور ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی معزز یا امیر آدمی چوری کرتا

تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان کا کوئی کمزور یا غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ یہ تھی حضور ﷺ کی شان عدل۔

غزوۂ خیبر کے بعد حضور ﷺ کے ایک جاں نثار حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کھجوروں کی بٹائی کے لیے خیبر گئے تو کسی نے انہیں وہاں شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت مُحَیِّصَہ رضی اللہ عنہ اور بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں استغاثہ دائر کیا اور یہودِ خیبر کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ٹھہرایا مگر وہ کوئی عینی شہادت پیش نہ کر سکے۔ اس پر حضور ﷺ نے یہودِ خیبر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عدل آپؐ کی جہانبانی کا بنیادی اصول تھا اور آپؐ دوسروں پر ہی نہیں بلکہ اپنی ذاتِ اقدس پر بھی اس کا اطلاق فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت ایک صاحب آپؐ کو چمٹ گئے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سے ان کو ٹہوکا دیا جس سے ان کے منہ پر خراش آ گئی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''مجھ سے بدلہ لے لو۔'' انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے معاف کر دیا۔'' یہی وہ عدل ہے جس کا اسلام علم بردار ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ عدل اختیار کرنے کی توفیق دے، آمین۔

❀.....❀.....❀

بقیہ: عادِل حکمران کسے کہتے ہیں؟

غذائیں چھین کر دنیا میں اچھے اچھے کھانے کھائیں۔

امیر المومنین! یہ نہ دیکھیے! یہ نہ دیکھیے کہ آج آپ کی طاقت کتنی ہے، بلکہ یہ دیکھیے کہ جب آپ موت کے جال میں قید ہوں گے اور جب حی و قیوم کے سامنے پیشانیاں گھس رہی ہوں گی تو اس وقت آپ میں کتنی طاقت ہوگی۔

اے امیر المومنین! اگرچہ میں آپ کو اس بلاغت کے ساتھ نصیحت نہیں کر سکا جو مجھ سے پہلے اربابِ علم و دانش کر چکے ہیں، لیکن میں نے خیر خواہی اور شفقت میں کوئی کمی نہیں کی، اس لیے میرے مکتوب کو کسی ایسے دوست کی کڑوی دوا سمجھنا جو شفا کی خاطر دی جاتی ہے۔''

انتخاب: علی حمزہ

عادِل حکمران کسے کہتے ہیں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے حسن بن ابی الحسن بصری رحمہ اللہ کی طرف ایک خط لکھا جس میں اپیل کی کہ مجھے امام عادِل کے اوصاف لکھ بھیجئے۔ اس پر حسن بصری رحمہ اللہ نے حسب ذیل مکتوب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا:

''اے امیر المومنین! یاد رکھیے، اللہ تعالیٰ نے امام عادل کو ہر کج رو کو سیدھا کرنے اور ہر ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے بنایا ہے۔ امام عادل کو فاسد کے لیے درستی، ضعیف کے لیے قوت، مظلوم کے لیے وسیلہ اور غم زدہ کے لیے اطمینان بہم پہنچانا چاہیے۔ امام عادل اس شفیق ساربان کی طرح ہے جو اپنے اونٹوں کو عمدہ سے عمدہ چراگاہوں میں چراتا اور ہلاکت کی جگہ سے روکتا ہے۔ نیز اس کو بھیڑیوں سے بچانا اور سردی یا گرمی کی شدت سے محفوظ رکھنا بھی امام عادل کا کام ہے۔

اے امیر المومنین! امام عادل باپ کی مانند ہے جو بچوں پر مہربان ہوتا ہے۔ چھوٹے ہوں، تو ان کی پرورش کے لیے کوشاں رہتا ہے، بڑے ہو جائیں تو ان کو تعلیم دیتا ہے۔ جب تک زندہ رہتا ہے ان کے لیے کمائی کرتا ہے اور مرنے کے بعد ان کے لیے خاصی دولت چھوڑ کر جاتا ہے۔ اے امیر المومنین! امام عادل اس شفیق ماں کی طرح ہوتا ہے جو اپنے بچے پر جان دیتی ہے، جو تکلیف ہی میں اسے پیٹ میں رکھتی ہے اور تکلیف ہی سے اسے جنتی ہے، اس کی تربیت کرتی ہے، بچہ چونک اٹھے تو وہ بھی جاگ اٹھتی ہے، بچہ آرام میں ہو تو وہ بھی آرام کرتی ہے، کبھی دودھ دیتی ہے اور کبھی دودھ چھڑاتی ہے، بچہ تندرست رہے، تو خوش رہتی ہے، بچے کو تکلیف ہو تو مغموم ہوتی ہے۔

اے امیر المومنین! امام عادل یتیموں کا سرپرست اور مسکینوں کی ڈھارس ہوتا ہے۔ وہ چھوٹے ہوں تو ان کی تربیت کرتا ہے اور بڑے ہوں تو ان کے نان ونفقہ کا کفیل ہوتا ہے۔

اے امیر المومنین! امام عادل کو نظام اجتماعی میں وہی حیثیت حاصل ہے جو اعضا و جوارح میں دل کو حاصل ہے۔ دل کے درست رہنے سے سارے اعضا درست رہتے ہیں۔ دل خراب ہو جائے تو سارے اعضا خراب ہو جاتے ہیں۔

اے امیر المومنین! امام عادل، اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے اور لوگوں کو سناتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف دیکھتا اور لوگوں کو دکھلاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا اور لوگوں سے اطاعت کراتا ہے، اس لیے اے امیر المومنین ان چیزوں کے متعلق جن کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے مالک بنایا ہے، ایسے نوکر کی طرح نہ ہو جانا جسے اس کا آقا، امین بنا کر اپنے مال وعیال کی حفاظت پر مقرر کرتا ہے لیکن وہ آقا کے مال کو تباہ اور عیال کو پریشان اور منتشر کر دیتا ہے۔

اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے حدود قائم کر رکھی ہیں تا کہ تو انہیں سامنے رکھ کر ناپاک اور بری باتوں سے منع کرے۔ پس اگر ان حدود کا محافظ اور والی خود فواحش کا ارتکاب کرنے اور حدود اللہ کو توڑنے لگے، تو کس قدر حیف کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو اپنے بندوں کے لیے زندگی کا باعث بنایا ہے۔ پس اگر ان سے قصاص لینے والا خود ان کو قتل کرنا شروع کر دے تو کس قدر رنج کا مقام ہے۔

اے امیر المومنین! موت کو یاد رکھیے اور غور کیجئے کہ موت کے بعد کیا کیا واقعات پیش آنے والے ہیں۔ غور فرمایئے کہ اس وقت آپ کا قبیلہ نہایت قلیل اور آپ کے انصار و مددگار مفقود ہوں گے۔ اس وقت کے لیے اور اس کے بعد سب سے بڑی گھبراہٹ کے وقت کے لیے زادِ راہ تیار کیجیے۔ امیر المومنین! جس گھر میں آپ رہتے ہیں اس کے علاوہ بھی آپ کا ایک گھر ہے جس میں آپ کو بہت دیر تک ٹھہرنا ہے۔ اس تنگ و تاریک گھر میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر تمام دوست واپس آ جائیں گے۔ اس وقت کے لیے پونجی تیار کیجئے جب ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ اے امیر المومنین! اس وقت کو یاد کیجئے جب قبروں سے لوگوں کو اٹھا کر ان کے مافی الصدور کا جائزہ لیا جائے گا اور جب سب بھید کھل جائیں گے اور ہر چھوٹے بڑے عمل کا شمار ہوگا۔ اے امیر المومنین! اب آپ کو مہلت ملی ہوئی ہے، یاد رکھیے جب موت آئے گی تو امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کے بندوں میں جاہلوں کی طرح فیصلے نہ کرنا اور ان کے ساتھ ظالموں کا سا رویہ اختیار نہ کرنا۔ کمزوروں پر متکبروں کو مسلط نہ کرنا، کیونکہ وہ مومن کے ساتھ معاملہ طے کرتے ہوئے کسی عہد یا ذمہ داری کا احساس و پاس ملحوظ نہ رکھیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک تو آپ کو اپنے اعمال کا بوجھ اٹھانا پڑے گا، دوسرے ظالم اور متکبر گورنروں کے اعمال کے لیے آپ سے باز پرس ہوگی۔ ان لوگوں سے دھوکا نہ کھانا جو آپ کو عذاب میں ڈال کر گلچھڑے اڑائیں اور عمدہ عمدہ

(باقی صفحہ نمبر 43 پر ملاحظہ فرمائیں)

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

حسد اور مولانا رومی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ترجمہ):

انہوں نے ان کتوں (شیطانوں سے) کینہ اور حسد سیکھا
جو مخلوق کے لیے ابدی سلطنت نہیں چاہتے
حسد کی وجہ سے وہ قولنج کے درد کا شکار ہوتا ہے
کیونکہ جس بد بخت کا کھلیان جل گیا ہو
وہ نہیں چاہتا کہ کسی کی شمع روشن ہو

.....

خبردار، تو بھی کمال حاصل کر لے تاکہ تو
دوسروں کے کمال سے غم میں مبتلا نہ ہو
اس حسد کا دفعیہ خدا سے طلب کر
تاکہ خدا تجھے اس حسد سے نجات دے
اور تجھے اپنے باطن کی مصروفیت عطا کر دے
تاکہ تمہارے سارے کام اس مصروفیت کے تابع ہوں

.....

حَسد کی بیماری جس میں عام طور پر ہر فرد مبتلا ہوتا ہے، وہ شیطان کے لمس کا نتیجہ ہے۔ شیطان نہیں چاہتا کہ اللہ کی مخلوق دائمی سلطنت کی وارث بنے، اس لیے کہ وہ خود جہنم کا ایندھن ہے تو انسانوں کے بارے میں بھی وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کا مسکن جہنم ہو، حَسد کی بیماری اپنے ساتھ بہت ساری بیماریوں کو ساتھ لاتی ہے۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے، جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ حسد کی بیماری فرد کو نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے، وہ دوسروں کی ترقی دیکھ کر جلن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حسد سے پیدا ہونے والی ساری بیماریوں کا علاج کمال کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ سب سے بڑا کمال کیا ہے جو حسد کے جملہ مفاسد سے نجات کا ذریعہ ہے؟ وہ اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرنے کا کمال

ہے۔ جب فرد اس کمال کے حصول کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے تو اسے دنیا میں سب سے بڑا مسئلہ اپنی نفسی قوت ہی نظر آنے لگتی ہے۔ اس نفسی قوت کو مطیع کرنے کے کام کو وہ سب سے بڑا کام تصور کرتا ہے۔ یہ مصروفیت اسے دوسروں کے عیب تلاش کرنے سے بے نیاز کر کے دائمی سلطنت کے حصول کی راہ پر لگا دیتی ہے۔

حسد کی عمومی بیماری کا اندازہ دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک صاحب جو محتاج اور مفلس تھا۔ اسے ایک مخیّر کا علم ہوا کہ وہ غریبوں کے ساتھ نوازش کا معاملہ کرتے ہیں۔ وہ کئی سو میل کا سفر کر کے ان کی خدمت میں پہنچا اور انہیں اپنی حالت زار بتا کر مالی تعاون کی درخواست کی۔ مخیّر صاحب کو اس کی حالت مفلسی پر رحم آیا اور از راہ ہمدردی کہا کہ تمہیں دو چار ہزار دے دینا میرے لیے کوئی بات نہیں، لیکن اس سے تمہارا کام نہیں چلے گا، چاہتا ہوں کہ جتنی دولت میرے پاس ہے تم بھی اتنی ہی دولت کے مالک بن جاؤ۔ مفلس نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو ساری زندگی آپ کو دعائیں دینے میں صرف کروں گا۔ مخیّر صاحب نے کہا کہ مجھے یہ دولت فلاں فلاں وظیفے پڑھنے سے حاصل ہوئی ہے، تم بھی یہاں مقیم ہو جاؤ، چار پانچ سال تک ان وظیفوں پر محنت کر لو، خادم تمہاری خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ وقت بوقت تمہارے گھر رقم بھیجی جائے گی۔ مفلس نے بڑے ذوق شوق سے ورد و وظائف کا عمل شروع کیا، چار پانچ سال تک وظائف پر محنت کی، آخر میں اسے الہامی آواز سنائی دی کہ جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، اس نے کہا، یا اللہ میں چاہتا ہوں کہ اس مالدار کی دولت چھین کر مجھے دی جائے۔ آواز آئی کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کی دولت اس کے پاس رہنے دی جائے، تمہیں اتنی ہی دولت الگ سے دی جائے؟ اس نے کہا: نہیں۔

دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ ایک شخص بہت زیادہ مسکین تھا، اپنی حالت کی بہتری کے لیے کئی بزرگوں کے ہاں دعا کے لیے گیا، لیکن حالت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ ایک بزرگ نے اسے ایک وظیفہ دیا اور کہا کہ اتنے ماہ تک رات کو تہجد کی نماز کے بعد صبح صادق تک یہ وظیفہ پڑھتے رہو، ان شاء اللہ اس وظیفہ کی برکت سے تمہیں اللہ کی طرف سے معاشی فراوانی حاصل ہو گی، لیکن یہ ضرور ہو گا کہ اللہ سے اپنے لیے جتنی دولت مانگو گے، تمہارے پڑوسی کو اس سے دگنی دولت ملے گی۔ مفلس نے بظاہر تو بزرگ سے یہ کہہ دیا کہ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ مفلس نے بزرگ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھنا شروع کیا، کئی ماہ

(باقی صفحہ نمبر 31 پر ملاحظہ فرمائیں)

امام غزالیؒ

تزکیہ و تربیت

مصائب اور تکالیف

ان میں کامیابی کی واحد صورت صبر ہے۔ طالب آخرت سخت آزمایا جاتا ہے اور اسے شدید محنت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اسے مصائب بھی دنیا میں زیادہ پیش آئیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر علماء، پھر جوان کے قریب ہیں، پھر جوان کے قریب ہیں۔'' خداوند تعالیٰ نے ہمیں واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہم تمہیں مصائب اور تکالیف میں آزمائش کے طور پر ضرور مبتلا کریں گے، فرمایا: ''اور تمہاری ضرور آزمائش ہوگی، تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں، اور تم ضرور سنو گے یہود و نصاریٰ سے اور مشرکین سے اذیت دینے والی باتیں۔ تو اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ بہت ہمت کے کام ہیں۔'' پس جو شخص بھی عبادت کا عزم کرے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صبر عظیم کا ارادہ کرے۔ صبر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور انسان نجات و کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

① جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ذریعہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ ② آپ صبر کریں۔ بے شک نیک انجام متقین کا ہی ہے۔ ③ صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دو۔ ④ یہی لوگ (صابر) ہیں جن پر ان کے پروردگار کی صلوٰتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ⑤ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ⑥ ان لوگوں کو صبر کے صلہ میں جنت کے اندر بالا خانے عنایت ہوں گے۔ ⑦ تمہارے صبر کے صلہ میں تمہارے رب کا تم کو سلام۔ ⑧ صبر کرنے والوں کو بے حساب ثواب ملے گا۔

بے صبری سے پیدا ہونے والی جزع فزع کی تکلیف سے انسان صبر کی بدولت سے بچ جاتا ہے اور آخرت میں ترک صبر پر دیے جانے والے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ کر کے ایک مصیبت کی بجائے کئی مصیبتیں مول لیتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور آخرت کا ثواب بھی فوت ہو جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا مصیبت سے

بدتر مصیبت ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''تجھ پر تقدیر الٰہی ضرور جاری ہو کر رہے گی۔ اگر تو صبر کرے گا تو اجر و ثواب پائے گا اور بے صبری کا شیوہ اختیار کرے گا تو گنہگار ہوگا۔'' اپنے اندر صبر کا وصف پیدا کرنے کی سب سے اعلیٰ چیز یہ ہے کہ آدمی صبر کے اس عوض (جنت) کا تصور کرے جس کا پروردگار نے وعدہ فرمایا ہے۔ بندۂ مومن کے حق میں مصائب و مشکلات کا نتیجہ نہایت ہی اچھا ہے لہٰذا مصائب کے وقت تجھے اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ تجھے دنیوی لذائذ سے دور رکھ کر گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ تیری اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ تجھے زیادہ اجر و ثواب عطا کرنا چاہتا ہے اور آخرت میں ابرار و مقربین کے مدارج پر فائز کرنا چاہتا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح دور رکھتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنے اونٹوں کو خارش زدہ اونٹوں سے الگ رکھتا ہے۔'' اسی طرح اصلاح اور ترقی درجات کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مقبول بندوں کو ابتلا و آزمائش میں کثرت سے ڈالے رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ طبقہ اس کی درگاہ میں نہایت باعزت طبقہ ہے یہاں تک کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کو مختلف آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔'' تو جب تو یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دنیا کی نعمتوں کو روک رکھا ہے یا تیرے لیے کثرت سے مصائب و مشکلات پیدا کر رہا ہے تو یقین رکھ کہ یہ بات اللہ کی درگاہ میں تیرے باعزت اور صاحب مرتبہ ہونے کی علامت ہے اور وہ تجھے اپنے اولیاء کے راستے پر چلانا چاہتا ہے۔ بے شک وہ پروردگار تیرے تمام حالات سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''اور اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر سے کام لو، بے شک تم ہماری حفاظت اور نگاہ میں ہو۔''

ضروری اعلان

ماہنامہ چشم بیدار کی اشاعت جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا معاملہ زیر غور ہے۔ اس بات پر بھی غور کیا جا رہا ہے کہ اسے دو ماہی یا سہ ماہی کر دیا جائے۔ اگر آپ کو ملنا بند ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اس کی اشاعت بند ہو گئی ہے۔ اس سال ستمبر میں بیدار کی اشاعت کے 34 سال مکمل ہو جائیں گے۔